فہرستِ مندرجات

قرآنی اساسِ انقلاب

(تفسیر سورۂ فاتحہ)

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	۳	دین کو سیاست کی ضرورت	۱۱
...ید	۵	**تفسیر سورۂ فاتحہ**	۱۵
...ام	۵	تشریح الفاظ	۱۵
...زمانہ نزول	۵	الحمد للہ	۱۶
...مضمون	۵	بہترین نظام	۱۷
...ربط	۶	اچھی اور بری چیزیں	۱۹
...نبی اکرم صلعم کی نبوت کے دو درجے:	۶	حمد الٰہی کے چار گوشے	۲۲
(۱) قومی درجہ	۶	**رب العلمین**	۲۲
(۲) بین الاقوامی درجہ	۷	رب العلمین کے معنی	۲۳
حنیفیت عالمی تحریک ہے	۱۰	انبیاء کی بعثت کی غرض (حاشیہ)	۲۳
دینی اور سیاسی تحریک میں فرق	۱۰	حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کی غرض (حاشیہ)	۲۳

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
(۱) ربّ الاقوام	۲۴	دُعا کے لیے دو ضرورتیں	[illegible]
نظامِ ربوبیت	۳۰	امام ولی اللہ دہلویؒ اور خوارق عادات (حاشیہ ۲۵)	[illegible]
نوعِ انسانی کی ربوبیت کے دو شعبے (حاشیہ ۱۶)	۳۰	اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے	[illegible]
(۲) کائناتوں کا خالق	۳۳	دینی اور لادینی جماعتیں	[illegible]
کائنات کی وسعت (حاشیہ ۱۷)	۳۴	دُعا کی دوسری اساس	[illegible]
کائنات میں ہم آہنگی (حاشیہ ۱۸)	۳۵	سورۂ فاتحہ کی دُعا کا مطلب	[illegible]
الرحمٰن الرحیم	۳۶	دُعا کا فائدہ	[illegible]
رحمت کی وسعت	۳۹	صراط مستقیم	[illegible]
مٰلک یوم الدّین	۴۰	(۱) عقل کی روشنی میں	[illegible]
نظامِ عدل کی ضرورت	۴۰	اس دُعا کا اجتماعی پہلو	[illegible]
امام ولی اللہ اور نظامِ عدل (حاشیہ ۱۹)	۴۲	طلب ہدایت کی ضرورت	[illegible]
انسانیت "ذمہ داری" کا نام ہے	۴۳	صراط الذین انعمت علیہم	[illegible]
عمل اور اس کا نتیجہ	۴۵	صراط مستقیم تاریخ کی روشنی میں	[illegible]
یوم الدّین کی ضرورت	۴۷	منعم علیہ سوسائٹی	[illegible]
یوم الدّین پر ایمان کا فائدہ	۵۳	(۲) تاریخ کی روشنی میں	[illegible]
ایاک نعبد	۵۵	ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء	[illegible]
عبادت کیا ہے؟	۵۵	خیر القرون کی تشریح بقول امام ولی اللہ دہلویؒ	۷۹
اخبات الی اللہ	۵۶		
وایاک نستعین	۵۸	خیر القرون کی تشریح بقول مولانا عبید اللہ سندھیؒ	۸۰
غیر اللہ کبھی مدد نہیں دیں گے	۵۹	المغضوب علیہم	۸۱
توحید اور حریت	۶۰	الضالین	۸۳
اھدنا الصراط المستقیم	۶۲	قرآن کا مقصد	۸۵
دُعا کی حقیقت	۶۲	بین الاقوامی دُعا	۸۵
دُعا کی پہلی اساس	۶۴	صلوٰۃ کیا ہے؟	۸۶

Marfat.com

DATA ENTERED

۲۹۷۶۱۶۲
ع ۶۰ ق
۱۶۲۰۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سورۂ فاتحہ کا ایک نام الاساس بھی ہے۔ گویا اس سورۂ کریمہ میں، جو نازل ہونے کے لحاظ سے بالکل ابتدائی زمانے کی وحی ہے، قرآنی انقلاب کی زیریں بنیاد (Rock-Bottom Base) متعین کر کے انقلاب لانے والی جماعت کو اس بنیاد پر کامیابی کا قصر تعمیر کرنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔ اس لیے سورۂ فاتحہ کی اس تفسیر کا نام "قرآنی اساسِ انقلاب" رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں قرآنی انقلاب کی بنیاد صراط مستقیم بتائی گئی ہے۔ استاذی المکرم حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورۂ عظیم کی تفسیر نہایت اہتمام سے دو دفعہ املا کرائی اور بہت سے دیگر مقامات پر اس کی طرف اشارے فرمائے۔ عاجز مرتب نے اس سلسلے میں حضرت مولانا سندھی کے تمام افکار صفحات مابعد میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں جہاں ضرورت سمجھی ہے، حجۃ الاسلام، حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار حواشی میں دے دیے ہیں تاکہ متن کی توضیح و توثیق ہو جائے۔ امید ہے کہ یہ حواشی بھی مفید پائے جائیں گے۔

سورۂ فاتحہ قرآنِ حکیم کا دیباچہ ہے۔ اس میں قرآنی انقلاب کی جو بنیاد بتائی گئی ہے، سارے قرآنِ حکیم میں وہی ملحوظ رہے گی۔ اس لیے اس سورت کا مطالعہ قرآن حکیم کے انقلاب کا مقصد متعین کرنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس سورت کے مضامین کی توضیح میں حضرت مولانا سندھی نے قرآنی سیاست اور قرآنی حکمت کا نہایت دلنشیں استعمال کیا ہے اور ان دونوں کی بنیاد امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے پر رکھی ہے، جو بجائے

Marfat.com

خود قرنِ اوّل پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق
فرمائے اور پاکستان (اصانہا اللہ عن کل نقصان) کو قرآنی عالمگیر انقلاب
مرکز بنائے۔ آمین! واللہُ المستعان ۵

المرتب: بشیر احمد بی اے، لودیانوی
(معتمد خصوصی حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ)
جنرل سیکرٹری، ولی اللہ سوسائٹی پاکستان،
۲۲۳ این سمن آباد لاہور
۱۶ / جنوری ۱۹۶۷ء

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

شیخ بشیر احمد بی اے، لودیانوی نے اشرف پریس لاہور
ادارہ حکمت اسلامیہ
۲۲۳ این۔ سمن آباد۔ لاہور کی طرف سے شائع کیا

Marfat.com

سُورَةُ الفَاتِحَة مَكِّيَّة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمہید

نام یوں تو اس سورت کے بہت سے نام حدیثوں میں آئے ہیں، لیکن چند ایک بہت مشہور ہیں، مثلاً الفاتحہ [دیباچہ قرآن] اُمّ الکتاب (بنیادی تعلیم) الاساس (تعلیماتِ قرآنیہ کی بنیاد) سورۃ الدُّعاء قرآن حکیم میں اسے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي [سات (آیات) جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں] کا نام دیا گیا ہے (۱۵: ۸۷)

زمانہ نزول حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر غار حراء میں سب سے پہلے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝	(اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھیے جس نے
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ	پیدا کیا؛ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔
رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ (۹۶: ۱-۳)	پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے)

ان آیات کے نازل ہونے کے چند روز بعد ہی پوری سورہ فاتحہ مع بسم اللہ نازل ہوئی اور یہ نماز کا ایسا لازم جز قرار دی گئی۔ کہ بلا واسطہ یا بالواسطہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

مضمون یہ سورت قرآنِ حکیم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

بات یہ ہے کہ انسان اجتماع (Society) میں رہ کر ہی ترقی کرسکتا ہے خود اس کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اجتماع مل کر ایک انسانی

Marfat.com

برادری بن جائے؛ لیکن یہ ظاہر ہے، کہ ترقّی کن برادری ایک ہی فکر رکھنے والے لوگوں کی ہو سکتی ہے۔ جو لوگ اس فطری اصول کے خلاف چلیں، وہ نہ صرف اس دنیا میں ناکام رہتے ہیں، بلکہ اس ناکامی کی وجہ سے مرنے کے بعد کی زندگی --- آخرت --- میں بھی نامراد رہیں گے۔

قرآنِ حکیم انسان کی بلند ترین اجتماعی زندگی (Societal Life) کی طرف رہنمائی کرتا ہے؛ اس لیے سورۂ **فاتحہ** میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کہ انسانی فطرت کو سمجھنے والے اور اُس کے مطابق کام کرنے والے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ ایسی جماعت انسانی اجتماع کے مرکز میں رہے گی اور اُس اجتماع کی رہنمائی کرے گی۔

انسانی فطرت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس فطرت کے سمجھنے کے لیے علم اور اس کے مطابق کام کرنے کی توفیق اُسی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو دُعا کی شکل دی گئی ہے، جس میں انسانی ارادے اور ہمت کو بھی کچھ دخل حاصل ہے۔ یہ دُعا بھی اجتماعی رنگ میں ہے۔

ربط

نبی اکرم صلعم کی نبوت کے درجے (۱) قومی درجہ

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، سب سے پہلے سورۂ "العلق" یا "اقرأ" نازل ہوئی۔ (مکتوبی شکل میں یہ سورۃ نمبر ۹۶ پر تیسویں پارے میں ہے) اُس میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم کی نبوت کے پہلے درجے کا ذکر ہے۔ اس درجے میں آپؐ کا مقصد قریش اور اُن کے ارد گرد بسنے والے عرب قبیلوں کی اصلاح[1] تھا۔ یہ گویا آپ کی نبوت کا قومی درجہ تھا۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:-
"(۱) اس امام کے لیے، جو مختلف قوموں کو ایک مرکز پر جمع کرے، چند اصولی کام ضروری ہوں گے۔۔۔

Marfat.com

انسان اپنی قوم کو اپنے طبعی رشتوں یعنی ماں باپ کے ذریعے سے پھیلنے والے سلسلوں سے پہچانتا ہے اگر وہ اپنے حسب و نسب کی کڑیوں کا دور تک تتبع کرے تو وہ دیکھے گا۔ کہ اُس کے خاندان کے افراد ہی کے پھیلنے سے اُس کی قوم کا اکثر حصہ بنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلی سورت ــــ العلق ــــ کا آغاز اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ؎ سے کیا ہے۔ جس ہی اُس نے اپنے آپ کو انسان کے خالق اور پروردگار کی حیثیت سے پہچنوایا ہے۔

(۲) بین الاقوامی درجہ | آپ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے، کہ آپ مِلّتِ حنیفیہ ابراھیمیہ پر تمام اقوام عالم کو جمع کریں گے کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔

تفہیم ماعنیہ صفت ان صورتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ وہ پہلے ایک قوم کو راہ راست کی طرف بلائے گا اور اُن کے اخلاق کو کہ کیسے ان کی حالت کی اصلاح کرے گا پھر اُسے اپنی تحریک کی اشاعت کے لیے آلۂ کار بنائے گا اور اس کی مدد سے دنیا کی دوسری قوموں سے جہاد کرے گا وہ اپنے (قومی) ساتھیوں کو دنیا کی مختلف قوموں میں بکھیر دے گا چنانچہ (سورۂ آل عمران کی اس آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت کا بہترین حصہ ہو، جو تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے ہو، کے یہی معنی ہیں " (حجۃ اللہ البالغہ" ج ا صلا)

(۲) مہاجرین اور انصار کی ابتدائی جماعت قریش اور اُن کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام لانے کا باعث بنی - پھر قریش اور یہ لوگ، عراق اور شام کی فتح کا ذریعہ بنے اور قریش اور عراق و شام کے لوگ فارس اور روم کی فتح کا وسیلہ بنے اور اُن کے ذریعے سے ہند، ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے" حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص (مرتب)

؎ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا (مرتب)

Marfat.com

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دُعا ـــــ اَلْفَاتِحَہ ـــــ میں اپنے آپ کو ربّ الْعٰلَمِیْن کی حیثیت سے شناخت کرو دیا ہے۔ اس تمہیدی دُعا کے بعد سورۂ بقرہ وغیرہ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوامِ عالم کے لیے بنیادی دستورِ حیات دیا گیا ہے، جس پر انہیں جمع کیا جائے گا +

یہ سورت قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلّم کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نبوت کا یہ درجہ ہی آپؐ کی بعثت کا اصل مقصد ہے اور سورۂ العلق کو قرآن حکیم کے آخر میں لے جانا ظاہر کرتا ہے، کہ قومی درجہ، جس کی طرف سورۂ العلق میں اشارہ ہے بین الاقوامی عالمی درجے کے لیے بطورِ تمہید اور وسیلے کے تھا۔ اس لیے انسانیت کے اندر عالمی تحریک ہی قرآن حکیم کی دعوت کا عنوان بن سکتی ہے +

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

الانبیاءُ قبل النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کانوا یبعثون الی اقوامھم خاصّۃ ...... وَبُعث نبینا صلّی اللہ علیہ وسلّم الی کافۃ الناس + حجۃ اللہ البالغہ ج ا صـ۲۴!

[یعنی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے جو انبیاءؑ گزرے ہیں وہ سب کے سب اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا کی تمام اقوام کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔]

Marfat.com

نیز فرماتے ہیں کہ:-

"ولما کان الشر الساری فی زمن ابراھیم علیہ السلام ھو نسیان التوحید نزل الحق بازائہ باشاعۃ التوحید وتولید العبادات من طھارۃٍ وصلوٰۃٍ وزکوٰۃٍ وحجٍ وصومٍ وذکرٍ، ولما کان الشر الساری فی زمن نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اختلال الملل وانقلاب الارتفاقات خاصۃ علیٰ اصحابھا وکان الامر اشد وافسی نزل الحق بازائہ بالجھاد واشاعۃ العبادات وتوقیتھا والقضاء بزوال دولۃ الروم والعجم وانتظام امر النبوۃ کھیئۃ الارتفاق الرابع۔"* (التفہیمات الالٰہیہ جلد اوّل صفحہ ۱۰۴)

[چونکہ سیدنا ابراہیمؑ کے زمانے میں نسیانِ توحید کا شر معاشرہ انسانی میں پھیل چکا تھا اس لیے حق اس کے بالمقابل نازل ہوا یعنی اشاعتِ توحید اور طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، روزہ اور ذکرِ الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل میں لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اقوامِ عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور اُن کی ارتفاقی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کر گئی تھی اور یہ خرابیاں اقوامِ دنیا کے بدن میں دور تک سرایت کر گئی تھیں اس لیے اب حق ان ضرورتوں کے لیے نازل ہوا اور قرار پایا کہ ان خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور عبادات

* فختم صلی اللہ علیہ وسلم بأمتی الخیر لم یفتح قبلہ وانتظمت بہ امۃ من الناس ھی خیر امۃ اخرجت للناس *

کی اشاعت کی جائے ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کر دیے جائیں اور قضا و قدر نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کر کے ان کی جگہ نبوی نظام بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر انسانی فلاح و خیر کا دروازہ کھولا جو آج تک نہ کھلا تھا اور اس خیر و فلاح انسانی کی تعلیم کے ذریعے سے انسانوں میں سے ایک ایسی امت (جماعت) منظم کی جو نوع انسانی کے لیے بہترین (نمونے کی) جماعت بن گئی] (مرتب)

حنیفیت عالمی تحریک ہے | اس سے ظاہر ہے، کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک عالمی تحریک (World Movement) ہے، صرف عربی تحریک نہیں ہے۔ عربی تحریک اس عالمگیر تحریک کی ترقی کا ایک زینہ تھی اور اس کے ارتقاء کی ایک منزل۔ یہ عالمی تحریک اصل میں حنیفی تحریک ہی ہے، جس کا مقصد یہ ہے، کہ نوع انسانی کو اس کی فطرت کے مطابق کمال تک پہنچائے۔

دینی اور سیاسی تحریک میں فرق | حنیفی تحریک میں ذہنی، عقلی، معاشی اور معاشرتی سب پہلو موجود ہیں اور ان سب پہلوؤں میں ترقی ہی اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک دینی بھی ہے اور سیاسی بھی، لیکن آج کل بعض لوگ دینی حرکت اور سیاسی حرکت میں فرق کرتے ہیں۔ یہ لوگ دینی حرکت کو خیالی (IDEA-TIONAL) تحریک کہتے ہیں (اور اس لحاظ سے یہ صرف رہبانیت کی تحریک ہو رہ جاتی ہے) اور سیاسی تحریک کو حقیقت پسندانہ (REALISTIC) تحریک قرار دیتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک حنیفی تحریک کے بارے میں "دینی" اور "سیاسی" کی یہ تقسیم صحیح

نہیں ہے اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے +

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک یک وحدانی (Unitary) چیز ہے۔ اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعیتِ انسانی کی کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزاء میں تقسیم بھی کر لیا جائے، تو اس سے وہ دو تحریکیں نہیں بن جاتیں؛ کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہر کیف انسانیت عامّہ کی ترقی ہی رہتا ہے۔ جب اہلِ دین ایسے خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کر لیں، جو غیر محققانہ (Unscientific) ہوں یا اہلِ سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لے کر بیٹھ جائیں، اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی (Technical) اختلاف رہ جاتا ہے۔ ہم ان دونوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ تاکہ اُن میں ظلم دور کر کے انصاف و عدل قائم کرے۔ ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اصل میں صحیح دین وہ ہے۔ جس کے امام سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتا ہے۔ اور اُن کی تحریک عالمی تحریک ہے۔ جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی۔ اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لیے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں +

دین کو سیاست کی ضرورت | ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامّہ کے لیے

Marfat.com

مفید دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم اُن لوگوں کو سکھاتا ہے، جو اُسے سیکھ سکتے ہیں۔ اس فکر پر اُن کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعۃ (Party) بن جاتی ہے۔ جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر وہ شخص چاہے، کہ اس کے عمل کو کوئی اور لوگ، جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں، یا جو اس فکر کی ترقی میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interests) کا نقصان تصوّر کرتے ہیں، قوت کے ذریعے سے خراب کر دیں، تو کیا صحیح علم کے مالک کے لیے یہ ضروری نہ ہوگا۔ کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لیے قوتِ دفاع (Defence Power) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے۔ کہ صحیح علم کے لیے سیاست (Politics) اور حکومت (State) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لیے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:-

ویجب بناء الجمہور علی اہل الآراء الکلیۃ رفع اشاعۃ الحق وتمنیتہ، واخمال الباطل وصدّ ہٖ فردیماً لم یمکن ذٰلک الّا بمناصبات ومقاتلات فیما کل ذٰلک من افضل اعمال البرّ

(حجۃ اللہ البالغہ ج اصفہ طبع منیریہ مصر)

[جو لوگ انسانی معاشرے کی کلّی اصلاحِ حال کے رنگ میں سوچتے ہیں ان پر واجب ہوتا ہے، کہ اشاعتِ حق کرنے اور اسے معاشرے میں چلانے

Marfat.com

کے لیے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے کے لیے پوری پوری (جانی اور مالی) کوششیں کریں لیکن اکثر یہ کوششیں صرف ان شکلوں ہی میں ممکن ہو پاتی ہیں کہ مخالفینِ حق کے خلاف نشر و اشاعت کی جائے اور قتال کیا جائے اُس صورت میں یہ دونوں اعمال بہترین نیکی کے اعمال شمار ہوتے ہیں]

ایسے ہی یہ بھی صحیح ہے۔ کہ جب کوئی جماعت انسانی منافع میں سے کسی ایک حصّے کی خدمت کے لیے اُٹھے، لیکن وہ اپنے آپ کو جامعۂ انسانیہ (Human Society) کا ایک جزو تصور کرے، تو اس کے پروگرام کا انکار نہیں کیا جا سکتا! لیکن یہ غلط ہوگا۔ کہ وہ جماعت اپنی جزوی خدمت کو کُلی قرار دے کہ دوسری جماعت کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ اور یہ تو اور بھی بڑی حماقت ہوگی۔ کہ وہ کُلی تحریک کا انکار کر دے یا اس کی طرف التفات نہ کرے +

الغرض، آئمۂ اَدیان ہی اصل میں جامعۂ انسانیہ (Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں۔ جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کو لے کر کام کرتے ہیں، وہ انبیاء سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اہلِ سیاست اور اہلِ فلسفہ حکمت اور جو سائنسدان اپنے آپ کو ان آئمۂ دین کے تحت بطور جزوی کارکن لے آئیں، وہ طبعی طور پر ان آئمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے۔ جو شخص دین کے معنی سمجھنا چاہے[1]

---

[1] دین کی حقیقت سمجھنے کے لیے "حجۃ اللّٰہ البالغہ" مصنفہ امام ولی اللّٰہ دہلویؒ۔ باب بیان اصل الدین واحدٌ والمناہج مختلفۃ (ج ۱) اور ابواب ما بعد پڑھنے چاہییں۔ اور اجتماعیت کے سمجھنے کے لیے اس کتاب کے ابواب ارتفاقات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور اس مطالعے کو "بدور بازغہ" مصنفہ امام صاحب کے مطالعے سے تقویت دینی چاہیے (مترجم)

اور اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے، اور اہلِ سیاست و فلسفہ میں سے خدّامِ انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے، وہ آئمہؒ دین کے سوا کسی کو اجتماعیتِ انسانیہ کے امام تسلیم نہیں کر سکتا

عام مؤرخین بین الاقوامی تحریک کی ابتدا اسکندر مقدونی (Alexander Of Macedonia) سے کرتے ہیں۔ لیکن ہماری تحقیق یہ ہے، کہ عالمی انسانی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نسبت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (۲: ۱۲۴) "میں تجھے نوعِ انسانی کا امام بنادوں گا" اور ان کی اولاد اسی عالمی پیشوائی کے لیے کام کرتی رہی۔ سیدنا ابراہیمؑ ایسے ہی امام ہیں اور حضرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہی کی تحریک کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

چونکہ قرآن حکیم بین الاقوامی تحریک پیدا کرتا ہے جس کی ابتدا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کی۔ اس لیے اس کی پہلی سورت میں رَبُّ الْعَالَمِیْن کا تصور دیا گیا ہے۔

Marfat.com

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ فاتحہ

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

تشریح الفاظ:

حَمْد: جو فعل کسی کے اپنے علم، اختیار اور ارادے سے صادر ہوا ہو اس کی حقیقی تعریف کرنا۔ [مَدح کسی ایسی چیز یا فعل کی تعریف جو اختیاری نہ ہو۔ جیسے حُسن کی تعریف؛ ثَناء بار بار خوبیاں بیان کرنا]

ال دیا تو جنس کے لیے ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد ہو گی حقیقی اور اصلی تعریف یا استغراق کے لیے۔ اس حالت میں اس سے مراد ہوگی "ہر قسم کی تعریف" اور "تمام تعریفیں"۔

ل: تخصیص کے لیے یعنی حقیقی حمد و تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔

اَللّٰہ: اسم ذات ہے۔ یعنی وہ پاک ذات حقیقۃ الحقائق و وُجُودِ اقصیٰ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہی وجود کا منبع اور مصدر ہے اور ہر ایک شے اُسی سے اور اُسی کے ارادے سے وجود پاتی ہے۔ وہی تمام مخلوقات کو قائم رکھتا اور ارتقاء (EVOLUTION) کی منزلیں طے کراتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا صفاتی نام نہیں، بلکہ اسم عَلَم ہے۔ اگرچہ یہ غیر مشتق ہے لیکن عربی زبان کی عام خوبی کے مطابق اس میں بھی ایک خصوصیّت پائی جاتی ہے یعنی اس لفظ میں جذب اور کشش کا مفہوم پایا جاتا ہے ....

Marfat.com

چنانچہ عربی میں کہتے ہیں: (۱) وَلَہَ الصَّبِیُّ اِلٰی اُمِّہٖ (بچہ گھبرا کر اپنی ماں کی طرف لپکا) (۲) وَلَہَتِ الْاُمُّ اِلٰی وَلَدِھَا (ماں کا دل اپنے بچے کی طرف کھنچ گیا)، گویا اَللّٰہ وہ ذات ہے، جس کی طرف ہر شے بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ کھنچتا ہے۔ وہی سب کا محبوب اور سب کی محبت کا مستحق ہے، کیونکہ وہی حُسن اور احسان کا مرکز ہے +

اَلرَّحْمٰنِ: (مادہ رَحِمَ دل پگھلنا، شفقت)، اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی جس کا تعلق عالم (Cosmic Universe) کی تخلیق کے ساتھ ہے۔ بقول امام ولی اللہ دہلویؒ کائنات کا مادہ اسی تجلّی سے وجود میں آیا ہے +

اَلرَّحِیْمِ: (مادہ رَحِمَ): اللہ تعالیٰ کی وہ تجلّی یا صفت جس کا تعلق بندوں کے عملوں کی دنیا اور آخرت میں جزا و سزا دینے سے ہے +

رَبِّ: پرورش کرنے والا، اور تربیت کر کے تکمیل تک پہنچانے والا +

الْعٰلَمِیْنَ: واحد اَلْعَالَمُ (۱) جہان، ساری دنیا، (۲) مخلوقات کی تمام انواع (۳) اقوام

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (سب تعریف کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے) +

عہد "سلطنت" سطحِ سوم (مرتب)

Marfat.com

اس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے ذریعے سے جو بین الاقوامی نظام قائم کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

بہترین نظام | یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے انسانی قوموں میں پیدا کیا ہے، اور جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، بہترین نظام ہے۔ اس سے بہتر نظام ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ اس لیے انسان کو یہ نظام بین الاقوامی پیمانے پر چلانے میں اپنی ساری ہمت اور کوشش صرف کر دینی چاہیے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس سے بہتر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ قول حکمتِ انسانی کے کمال کا اظہار کرتا ہے، لیکن بعض دوسرے حکماء کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ اس سے بہتر بنا سکتا ہے۔ اگر وہ نہ بنا سکے، تو یہ اُس کا نقص سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے، کہ بلند درجے کے حکماء کا قول ہے، کہ اس کائنات کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ کائنات مختلف ادوار میں منقسم ہے، اور ایک دورہ اپنے پہلے دورے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح اقتضائے حکمت کے مطابق ادوار کا سلسلہ جاری ہے یہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔ لیکن ایک انسان کو تفصیلی علم صرف ایک دورے ہی کا ہو سکتا ہے۔ پچھلے اور آنے والے دوروں کا اُسے علم نہیں ہو سکتا، البتہ عقل سلیم اسے لازماً تسلیم کرتی ہے۔ کہ چونکہ تعطّل صفات الٰہی ناممکن ہے، اس لیے یہ سلسلہ ضرور قائم و دائم رہنا چاہیے، چاہے ہمیں ادوار کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

اب اصل سوال لیجیے، کہ کیا جو کچھ ہے، اس سے بہتر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ "ہاں" اور "نہیں"۔

Marfat.com

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہے، وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دورے سے دوسرا دورہ بہتر ہونا ممکن ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا، وہ اصل میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دورے میں جو چیز پیدا ہوئی ہے، وہ اس دورے کی فطرت کے عین مطابق ہے کہ اس لیے اس دورے میں اس سے بہتر ممکن نہیں[۵]۔

ہماری غرض اس سارے بیان سے یہ ہے، کہ اللہ تعالےٰ نے تمام چیزوں کو ایک خاص فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے یہ ممکن ہی نہیں، کہ اس سارے نظام میں موزوں ہونے کے لیے اس سے بہتر چیز وجود میں آسکے۔ جو بہترین چیز اس نظام عالم میں وجود میں آنی ممکن تھی، وہ وجود میں آچکی۔ اس لیے فطرت انسانی میں، جو تمام اقوام اور افراد میں مشترک ہے اور انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے، کوئی نقص نہیں پایا جاتا، اس لیے یہ تعلیم جس پر انسانیت کو منظم کیا جا رہا ہے، بہترین تعلیم ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے لائق حمد و ستائش ہے۔

جب یہ معرفت اچھی طرح سے صاف ہو کر انسان کے دل میں جم جاتی ہے، وہ یقینا

۵۔ اس کی یہ مثال یوں سمجھنا چاہیئے، کہ ایک کاریگر ایک گھڑی بناتا ہے۔ اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے، کہ اس کے پرزے اس میں اس طرح وابستہ ہیں کہ اس کی تخلیق کے مقصد کو بہترین انداز پر پورا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر وابستگی ممکن نہیں اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں، کہ اس سے بہتر کوئی اور گھڑی بنانا ممکن نہیں ہے، جو گھڑی اس سے بہتر بنے گی۔ اس کے اپنے پرزوں میں سے ہر ایک پرزہ اس کے لیے بہترین ہوگا کیونکہ وہ اس گھڑی کے مقصد تخلیق کو بہترین طریق پر پورا کرے گا۔ (مرتب)

Marfat.com

اسلام کو دل سے قبول کر لیتا ہے اور اُسے اچھی طرح سے سمجھ جاتا ہے۔ اگر یہ معرفت اُس کے دل میں راسخ نہ ہو، وہ لادینی بن جاتا ہے اور وہ راہ راست سے بھٹک کر ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔

آئیے، اب اس آیت پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالیں۔

اچھی اور بُری چیزیں | دنیا میں دو قسم کے فکر رائج ہیں:

ایک فکر کے مطابق کوئی چیز اچھی ہے یا بُری ہے، جو چیز اچھی ہے وہ بنی ہی اچھی ہے۔ وہ ہر ماحول میں اچھی ہی رہتی ہے۔ جو بُری ہے وہ بنی ہی بُری ہے۔ وہ اچھے ماحول میں بھی بُری ہی رہتی ہے۔

دوسرا خیال یہ ہے، کہ اصل میں کوئی چیز بُری نہیں ہے۔ وہ کسی ماحول میں بُری بن گئی ہے۔ اگر اس کا ماحول بدل دیا جائے تو وہ بُری نہیں رہے گی[1]۔

---

[1] جب کوئی قوم اپنے بلند درجے سے گر جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت پر غور کرنا اور اپنا حساب لینا چھوڑ کر بے فکری اختیار کر لیتی ہے تو یہ نظریہ اختیار کر لیتی ہے کہ ہر شے اپنی فطرت میں اچھی یا بُری ہے، ماحول کے بدل جانے سے اس کی اچھائی بُرائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ یہ خیال اس لیے بنا لیتی ہے کہ وہ اپنے بدلے ہوئے بُرے ماحول کی وجہ سے اپنے میں کسی بُرائی کی قائل نہیں ہونا چاہتی۔ وہ اپنی گراوٹ پر قناعت کر لیتی ہے اور یہ سوچ کر اطمینان کر لیتی ہے کہ بلا سے، ماحول بگڑ گیا، تو کیا ہوا، ہم تو اچھے ہی ہیں وہ اُن خوبیوں کی، جو وہ اپنے مخالفوں میں پاتی ہے، قائل نہیں ہونا چاہتی؛ کیونکہ اگر وہ اپنے مخالفوں میں خوبیاں تسلیم کر لے تو اُسے اپنے بُرے ماحول کو بدل کر وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہیں یہ ایک انقلاب ہے جس سے وہ عادی ہو چکی ہے حقیقت یہ ہے، کہ جب تک یہ نظریہ انقلاب اس کے اندر نہ آئے، اُس کی حالت کا تغیر نا ممکن ہوتا ہے۔ (مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

Marfat.com

صحیح اصول یہ ہے، کہ کوئی چیز اپنی فطرت میں بُری نہیں۔ ایک چیز خاص حالات میں ایک خاص ضرورت پوری نہیں کرتی۔ اُسے بُری کہہ دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق دیکھا جائے، تو کسی چیز کے اچھی یا بُری ہونے کا معیار یہ ہوگا، کہ وہ چیز انسان کے ان تقاضوں کے ساتھ موافقت رکھتی ہے یا مخالفت۔ اچھی چیز وہ ہے، جو انسان کے نوعی تقاضوں کے موافق ہے اور بُری چیز وہ ہے، جو انسان کے نوعی تقاضوں کی مخالف ہے۔ یہ ہے وہ اصول جو امام ولی اللہ دہلوی رح پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:-

نکذلك المبرسُنَنُ الهمها الله تعالی فی قلوب المؤیدین بالنور الملکی الغالب علیهم خُلق الفطرة بمنزلة ما الهم فی قلوب النحل ما یصلح به معاشها فجروا علیها واخذوا بها وارشدوا الیها وحثوا علیها فاقتدی بهم الناس واتفق علیها اهل الملل جمیعها فی اقطار الارض علی تباعد بلدانهم واختلاف ادیانهم بحکم مناسبة فطریة واقتضاء نوعی" (حجۃ اللہ البالغہ" ص۵ ۲۰)

(ایسے ہی اچھائی کی شکلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن اشخاص کے دلوں میں بذریعہ الہام ڈالی ہیں، جن کی ملکی نور مدد کرتا ہے۔ ان پر فطرتی خلق غالب ہوتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے، جیسے شہد کی مکھی کے دل میں وہ طریقے ڈالے گئے جن کے مطابق وہ معاش زندگی بسر کرتی ہے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے وہ طریقے اختیار کر لیے اور ان پر کام کرتے رہے اور دوسرے لوگوں کی

Marfat.com

بھی رہنمائی کرتے رہے اور انہیں ان کے احتیاط کرنے کی تاکید کرتے رہے
پھر لوگوں نے ان کی پیروی شروع کر دی اور اس طرح سب ملتوں کے لوگ
کرۂ زمین کے مختلف خطوں میں بستیوں کے دُور دُور ہونے اور مذہبوں
کے اختلاف کے باوجود زندگی بسر کرنے کے لیے ان طریقوں پر متفق ہو گئے
اور یہ سب کچھ اس لیے ہؤا کہ ان سب گروہوں کے افراد میں ایک
فطری مناسبت موجود ہے اور وہ سب ایک نوعی تقاضے سے متاثر ہوتے ہیں[۵۷]

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو چیز انسان کے لیے بُری ہے، ہو سکتا ہے
کہ کسی اور مخلوق کے لیے اچھی ہو۔[۵۸]

ان دونوں اصولوں کے جمع کر لینے سے معلوم ہوا، کہ کائنات میں کوئی شے
بُری اور غیر مفید ہے ہی نہیں، بلکہ ہر ایک شے کسی نہ کسی لحاظ سے کسی نہ کسی حالت میں کسی نہ کسی
مخلوق کے لیے مفید ہی ہے۔ کوئی چیز بیکار اور فالتو نہیں۔ جو چیز وجود میں آئی
ہے اُس کا وجود میں آنا ضروری تھا، کائنات کو جو فائدہ اس شے سے حاصل ہو سکتا
ہے وہ کسی اور شے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔[۵۹] اس لیے بہرحال ہر شے کو وجود

۵۷؎ اس موضوع کے مزید مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو "حجۃ اللّٰہ البالغہ" (۱) باب انشقاق التکلیف من التقدیر (صفحہ ۳) (۲) باب کیفیۃ استنباط الارتفاقات (صفحہ ۳۶) (۳) باب حقیقۃ السعادۃ وغیرہ (مرتب)

۵۸؎ جیسے کاربن ڈائے اکسائڈ (CARBON DIOXIDE) جو حیوانات کے تنفس کے لیے مضر ہے، لیکن نباتات کے لیے باعثِ حیات ہے (مرتب)

۵۹؎ امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ:
وَنحن نعلم قطعًا انہ لا یوجد شیئًا الا وھو احق ان یوجد (حجۃ اللّٰہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۱۰) یعنی ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں، جو شے وجود میں لائی جاتی ہے اس کا وجود میں لایا جانا ہی، سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے ورنہ وہ وجود میں لائی نہ جاتی، (مرتب)

Marfat.com

ہیں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی پڑتی ہے، جس نے کائنات کے ذرّے ذرّے کو مفید بنایا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

حمدِ الٰہی کے چار گوشے: انسان اس بات کو، کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق ہے، چار پہلوؤں سے سمجھ سکتا ہے :-

(۱) وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے

(۲) وہ الرَّحْمٰنِ ہے۔

(۳) وہ الرَّحِیْمِ ہے، اور

(۴) وہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے

١٦٢٠٥

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ:

رَبّ: اس کے معنی ہیں کسی شے کو تدریجاً نشوونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا (راغب)، انسانیت کی تکمیل یہ ہے، کہ انسان وہ مقصد سمجھ لے جس کے لیے اُسے پیدا کیا گیا ہے اور اُس میں فنا ہو جائے یعنی اس مقصد کی تکمیل کے سوا اور کسی کام کا خیال اس کے ذہن میں نہ آئے۔ یہ انفرادی درجۂ تکمیل ہے۔

الْعٰلَمِیْنَ: یہ جمع ہے عَالَم کی۔ اس کے تین معنی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں؛

(۲) مخلوقات کی مختلف قسمیں مثلاً عالمِ حیوانیہ (ORGANIC WORLD) عالمِ جمادات (INORGANIC WORLD)۔

(۳) مختلف انسانی اقوام (GROUPS)

Marfat.com

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے معنی | اس میں شک نہیں، کہ تمام کمالاتِ الٰہی مخلوقات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اور ذاتِ الٰہی ان کمالات کی وجہ سے لائق حمد و ستائش ہے، لیکن ذرا غور کیا جائے، تو اس سورت میں تیسرے معنی زیادہ موزوں ہوتے ہیں؛ کیونکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع ہمیشہ اجتماعیتِ انسانی (HUMAN SOCIAL ORDER) ہی رہا ہے اور وہ انسانی سوسائٹی (مجتمع) کی ہر قسم کی اصلاح کے لیے آتے ہیں بالخصوص خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا خصوصی مقصد ہی یہ ہے، کہ انسانیت کی فطرت کے تحت تمام اقوام کے لیے عمومی اجتماعی تحریک کی تکمیل کریں۔ جب قرآن حکیم کا یہ مقصد ہے اور سورۂ فاتحہ اس کا خلاصہ ہے، تو اس سورت میں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے یہ معنی ہی زیادہ موزوں ہے کہ وہ اقوام کا پروردگار ہے۔

انبیاء کی بعثت کی غرض | امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں، کہ:-

"اس میں شک نہیں، کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں، لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنا اصلی مشن کا جز بنا لیتے ہیں۔ ...... بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا، کہ انسان اجتماعیت کے ارتفاق دوم اور ارتفاق سوم معطل چھوڑ دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے بھی ارتفاقات کے ترک کر دینے کا کبھی حکم نہیں دیا ...... وہ ہمیشہ ارتفاقات میں راہِ اوسط اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں" (حجۃ اللہ البالغہ ج ا صفحہ مرتب)

حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کی غرض | امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ:-

چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمام

Marfat.com

ربُّ الاقوام | بیشک انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے اِلٰہ (معبود و محبوب) کی حیثیت سے جانتا ہے، اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے لیکن جب وہ عالمی تحریک شروع کرے، تو اُسے طبعی طور پر اپنے رب کو ربُّ العٰلمین (ربُّ الاقوام) کی حیثیت سے جاننا اور پہچاننا ہوگا یعنی اُسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ اُس کا اپنا رب یا اس کے خاندان یا قبیلے ہی کا رب نہیں ہے، بلکہ تمام اقوامِ عالم کا رب ہے[لہ] اور تمام اقوام کو ارتقاء کے اس درجے تک پہنچائیگا جس کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے۔ اس آگے پیچھے کرنے میں بھی حکمت ہے +

بقیہ حاشیہ ۲۲: ملتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور ارتفاقات خراب ہو چکے تھے اور یہ حالت نہایت بُری حد تک پہنچ چکی تھی، اس لیے اب حق اس غرض سے نازل ہوا، کہ جہاد (انقلاب) جاری کیا جائے۔ عبادات کی اشاعت کی جائے اور انہیں اوقاتِ معیّنہ پر ادا کرنے کی تاکید کی جائے اور ایرانی اور رومی سلطنتوں کو ختم کر کے اُن کی جگہ نبوی نظام حکومت بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیر و برکت کا وہ دروازہ کھولا جو پہلے نہیں کھلا تھا اور اس ذریعے سے ایسی جماعت (اُمّۃ) منظم کی جو تمام انسانوں کے لیے بہترین جماعت تھی"
تفہیمات الٰہیہ ج ۱ صفحہ ۶۱ (مرتب)

لہ ہر ایک قوم کی ہدایت کے لیے مختلف درجوں کے رہنمایانِ انسانیت پیدا ہوتے رہے۔ اور انسانیت آگے بڑھی۔ اب تمام اقوام مل کر رفتہ رفتہ ایک بننا چاہتی ہیں؛ لیکن وہ اس وقت دو بڑے حصّوں میں بٹی ہوئی ہیں،

(۱) مشرقی بلاک (EASTERN BLOC) (۲) مغربی بلاک (WESTERN WORLD) (قرآن حکیم ربانی ص ۱۶ بمبئی)

Marfat.com

حقیقت میں ہر ایک قوم انسانیت عامہ کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اب ہر ایک نے اپنی زمین (TERRITORY) اور اپنا آسمان (AIR - SPACE) الگ الگ کر لیا ہے۔ کسی قوم کو دوسری قوم کے زمین و آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴

کے نزول کے وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ وہ ان دونوں کیمپوں کو ملانا چاہتا ہے شرق و غرب کے اس اجتماع کے لیے کتاب عظیم کام دے گی۔ اس لیے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا تعارف رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی حیثیت سے کراتی ہے یعنی سب قوموں کو ملا کر انسانیت کو ترقی دینے والا۔ اس اجتماع انسانیت کی تکمیل کے بعد ہی یہ سمجھ میں آئے گا کہ اجتماع کامل کے درجے — قبائلیت، شعوبیت، قومیت — طے کرنے پڑتے ہیں، وہ سب ضروری اور لابدی تھے اور انسانیت سے یہ سب نہایت قابل تعریف طریقے سے طے کرائے گئے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (عبید اللہ سندھی)

حاشیہ مولانا سندھی پر ذیلی حاشیہ:

علامہ پروفیسر P.A. SOROKIN استاذ اعلیٰ اجتماعیات، ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) لکھتے ہیں کہ:-

The classification of human population, system of culture, nations and peoples as Eastern and Western is largely artificial and fictitious. At almost no time after 1492 have the peoples and cultures of Asia and Africa been absolutely isolated from those of Europe and the Americas, and their historical lines have

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ ۲۵)

hardly proceeded independently from each other...... Even this relative separation from one another of the peoples and cultures of East and West has been steadily decreasing during the last five centuries—— Modern means of communication and transportation are daily bringing the West and the East closer and will continue to do so until these segments of mankind become as interdependent upon each other as are most of the peoples and ways of life of either East or West. (Sorokin. P.A., *The Basic trends of our Times* College and University Press, New Haven, Conn. (U.S.A.) P. 61).

[انسانی آبادی، مظاہرِ ثقافت، اقوام اور عوام کی "مشرقی اور مغربی" میں تقسیم زیادہ تر مصنوعی اور غیر حقیقی ہے ۱۴۹۲ء کے بعد ایشیا اور افریقہ کے عوام اور ثقافتیں تقریباً کبھی بھی یورپ اور امریکاؤں (THE AMERICAS) کے لوگوں اور ثقافتوں سے حتمی طور پر منقطع نہیں رہے ہیں اور اُن کی تاریخی زندگیاں مشکل ہی سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر چلی ہیں۔ ... ... مشرق اور مغرب کے لوگوں اور ثقافتوں کی یہ نسبتی علیحدگی بھی گزشتہ پانچ صدیوں سے گھٹتی چلی آرہی ہے —— دورِ جدید کے ذرائع رسل و رسائل مغرب اور مشرق کو روز بروز ایک دوسرے کے قریب تر لا رہے ہیں اور لاتے (باقی صفحہ

اس کے باوجود ان سب حصوں ___ قوموں ___ میں بنیادی انسانیت موجود ہے۔ جس حصے میں انسانیت اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے وہ حصہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے پیچھے دوسری اصناف بہ تدریج پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی ربوبیت ہے۔ وہ انسان کے دل و دماغ کو پالتا ہے، تاکہ وہ اپنا مقصدِ حیات حاصل کرنا سیکھے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، کہ کیا جائے، انسان وہ اپنی مرضی سے کرنا سیکھے +

انسان اپنی نوعی ترقی کے دوران میں مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آب وہوا اور دیگر جغرافیائی حالات کے اختلاف سے انسانی نوع کا ایک حصہ دوسرے حصوں سے الگ تھلگ ہوگیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہر ایک حصے کی بولی بھی الگ الگ ہوگئی اور اس طرح مختلف علاقوں میں رہنے والے انسان جغرافیائی اور لسانی اختلافات کی وجہ سے مختلف قومیں بن گئے +

جب قرآن حکیم آیا، یہ تقسیم انتہا کو پہنچ چکی تھی اور انسانیت کی تکمیل کا دوسرا دور شروع ہونے والا تھا۔ جس میں مختلف قوموں کے درمیان میل جول بڑھے گا اور وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی انسانیت میں تین بنیادی چیزیں ودیعت فرمائی ہیں:

(۱) رائے کلی یعنی انسانی اجتماع کی خدمت کا جذبہ، جس کی وجہ سے وہ اپنے

بقیہ حاشیہ ۲۶ رہیں گے۔ یہاں تک کہ نوع انسان پر یہ دونوں ٹکڑے اسی طرح ایک دوسرے پر انحصار رکھنے لگیں۔ جیسے خود مشرق اور مغرب کے اکثر لوگوں اور ان کے طریقہ ہائے زندگی کا ایک دوسرے پر انحصار موجود ہے ۱۲

Marfat.com

اجتماع میں نظام صالح پیدا کرنے، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی اصلاح کرنے اور حیاتِ مابعد الممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کی تیاری کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنے اجتماع میں اپنی وجاہت قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۲) حُبّ جمال: جس کی وجہ سے وہ اپنی تخلیقات میں افادے کے علاوہ حُسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۳) عقل و درایت: عقل انسان کو کسی چیز کی اشد ضرورت کا احساس دلاتی ہے اور درایت اس مشکل کے حل کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

انسانیت کے یہ تین خاصے اس کے بنیادی خاصے ہیں۔ یہ تینوں ہر ایک انسانی اجتماع میں پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک اجتماع انسانی میں ارتفاقاتِ معاشی اور ارتفاقاتِ عقلی پیدا ہوگئے۔ ارتفاقات معاشیہ سے مراد اُن آلات وغیرہ کی ایجاد ہے جن سے انسان کی مادی زندگی کی مشکلات دُور یا کم ہو جاتی ہیں مثلاً گھریلو اشیاء، اور ارتفاقاتِ عقلی سے مراد ان فکری مسائل کا حل ہے جو انسان کو اپنی زندگی کے دوران میں پیش آتے ہیں۔ مثلاً مادے کی حقیقت، کائنات کی ساخت، ریاضی کے مسائل، تاریخ کے مسائل وغیرہ۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے قول کے مطابق انسان کی شہری زندگی، قومی زندگی اور بین الاقوامی زندگی انسان کی اس ارتفاقی ترقی کا نتیجہ ہیں[۱۲]۔

رَبُّ الْعَالَمِیْن نہ صرف افراد کی تربیت کرتا ہے، بلکہ انسانی اجتماعات (GROUP LIFE) ـــــ خاندان قبائل شعوب، اقوام، بین الاقوامی

---

[۱۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل ابواب ارتفاقات اور بدور بازغہ: الباب ارتفاقات : (مرتب)

Marfat.com

اجتماعات ـــــ کی بھی تربیت کرتا ہے۔ اس تربیت کا مقصد یہ ہے۔ کہ انسان اپنی انسانیت کو ترقی دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پہلے ہر ایک انسانی اجتماع میں ایسے اہل عقل و درایت پیدا ہوتے رہے، جو انسانیت کے بنیادی تقاضوں کی تسکین کے لیے علم و حکمت معاشرے میں پھیلاتے رہے۔ یہ انبیاء کرام اور حکماء الٰہی تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی ترقی کی نئی راہ کھولی یعنی انسانی داخلی نفسی کیفیات پر زیادہ اور مستقل توجہ کرنا۔ اب دنیا کی قومیں اس راہ پر زیادہ تیزی سے چلیں گی۔ اور ان میں یہ بات پیدا ہوتی جائے گی۔ کہ مختلف اجتماعات ایک مرکزی نقطے پر جمع ہوسکیں یہ بین الاقوامیت کا نیا دور ہوگا، جو سابق کے سیاسی بین الاقوامی اجتماعات سے زیادہ پائدار ثابت ہوگا۔ اس اختراع فائقہ کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے سے کردی یہ اللہ تعالیٰ کی ربّ العٰلمین کا بلند ترین نقطہ ہے جس پر وہ انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ قرآن ایک حکیم کو اس درجے تک پہنچانا چاہتا ہے کہ وہ تمام انسانی کائنات کی حکمت سمجھ کر ربّ العٰلمین کو ہر لحاظ سے قابل تعریف سمجھے اور کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی حیثیت سے اس لیے بھی پیش کرتا ہے، کہ وہ نوع انسان کو ایک بین الاقوامی آئین دینا چاہتا ہے، ایسا قانون کوئی ایک شخص، یا قبیلہ یا قوم نہیں بناسکتی۔ ایسا قانون ربُّ الْعٰلَمِیْن ہی بناسکتا ہے، جو فطرتِ انسانی کا خالق ہے[۱۳]۔ اس بین الاقوامی قانون میں قومی قانون بھی آجائے گا، لیکن اُسی قدر جس قدر وہ بین الاقوامی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔

---

۱۳ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (۳۰:۳۰) (مرتب)

Marfat.com

نظامِ ربوبیت: اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی کا ربّ ہے۔ اُس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اُس کی تربیت کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔ جس طرح کائنات میں اُس کی ربوبیت کا نظام ہر عیب سے پاک اور ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اسی طرح انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے اُس نے جو دستور قرآن حکیم کی شکل میں دیا ہے، وہ بھی ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔[عـ۵۵]

نوعِ انسانی کی ربوبیت کے دو شعبے: [عـ۵۶]۔ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نوعِ انسان کا رب ہے اس کی ربوبیت کے دو شعبے ہیں:۔

(۱) تکوینِ نوعِ انسان (۲) تشریع برائے نوعِ انسان (یعنی انسان کو پیدا کرنا اور اُس کی رہنمائی اور زندگی کی تنظیم کے لیے اُسے قوانین دینا) امام صاحبؒ ان دونوں باتوں کو درخت کی مثال سے واضح فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں ایک درخت کا بیج بوتے ہیں۔ وہ بیج زمین میں سے پانی میں حل شدہ خوراک لیتا ہے اور کچھ غذا ہوا میں سے لیتا ہے اُس میں درخت کے نوعی تقاضے درجہ بدرجہ تصرف کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ درخت کے نوعی تقاضے خود اُس بیج میں پوشیدہ تھے وہی درخت کی صورت میں ظاہر ہو گئے۔ اس کے پتے، پھول، پھل، ذائقہ اور لکڑی کی خاصیتیں وغیرہ جن کے سبب سے ایک نوع کا درخت دوسری نوع کے درخت سے مختلف ہوتا ہے وہ سب اس بیج میں پوشیدہ طور پر پہلے سے موجود تھے۔

ایسے ہی مادہ حیوان کے پیٹ میں جنین اُس حیوان کے نوعی تقاضوں کے مطابق پرورش پاتا ہے اور نوع کے قویٰ ادراکیہ اور قویٰ عملیہ ظاہر ہوتے ہیں اور حیوان کی حرکات نفس صالحت بہ ساعت قوت سے فعل میں آتی رہتی ہیں۔ (باقی ص۔۔۔ پر)

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانیت کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر پیدا کیا ہے، اُسی طرح سے فردِ انسانی کو بھی بہت بلند معیار پر تخلیق کیا ہے[۵] - اگر انسانیت کی تقسیم اقوام میں ہو اور ہر ایک قوم اپنے اندر ایسا نظام پیدا کرلے جس میں افراد کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کی جائے اور وہ پوری طرح سے ادا بھی ہوتے رہیں اور افراد اپنے فرائض اس زندہ احساس کے ساتھ ادا کرتے رہیں

(بقیہ حاشیہ ۵۸) انسان کی بھی بالکل یہی کیفیت ہے بلکہ اس کے جنین میں نوعِ انسانی کے خاص ارتفاقات اور نفسی مجازات، سعادت و شقاوت نوعیہ وغیرہ سب ظاہر ہوتی ہیں - گویا نوع کے احکام ہی افراد میں ظاہر ہوتے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ "نوع" ایک قالب ہے - وہ مؤثر بالذات نہیں یعنی افراد پر اپنے ارادے سے اثر نہیں کرتا اور نہ وہ کسی تاثیر کا موجدِ حقیقی ہے بلکہ جو حقیقی مُوجدِ تاثیر ہے یعنی خداوند تعالیٰ وہ قالب اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے - جس طرح ایک ماہر سنگ تراش ایک خوبصورت مجسمہ گھڑتا ہے تو وہ مجسمہ اصل میں سنگ تراش کی ذہنی تصویر کی شکل پر ہوتا ہے اسی طرح ہر ایک نوع کے احکام اور تقاضے حضرت واجب جل مجدہٗ کی ذات کے اقتضاء سے اُس کے علم میں پوشیدہ تھے ذاتِ واجب میں یہ احکام تاثیر کی حیثیت میں تھے اور مخلوق میں یہی احکام تاثر کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہ

اس کے بعد امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انواع اور نوعی تقاضے پہلے واجب جل مجدہٗ کے علم میں آئے - اس منزل کو لوحِ محفوظ کہتے ہیں - اس کے بعد وہاں سے ایک تجلی کے ذریعے سے ملاءِ اعلیٰ کے اذہان میں آئے جو حاملِ عرشِ تکوین ہیں - اس کے بعد جب

[۵] لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (ہم نے انسان کو بہترین پیمانے پر پیدا کیا ہے) سورۃ التین ۹۵: ۵ (مرتب)

Marfat.com

کہ وہ اللہ تعالٰے کے آگے جوابدہ ہیں، تو کسی کو انسانیت میں کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہ آئے گی اور اُس پروردگار کی تعریف کرنی پڑے گی جس نے انسانیت، اقوام اور افراد کو ایک نظام کے اندر پیدا کیا اور سب کی رہنمائی کے لیے قرآنِ حکیم جیسا دستورِ حیات عطا فرمایا۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو انسانی معاشرہ ایسی طرز پر پیدا کر دیتا کہ اس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا، جیسے باقی ساری کائنات ہے؛ لیکن اُس کی حکمت نے چاہا کہ انسان اپنی سمجھ اور ہمّت سے اچھا نظام قائم کرے۔ اس کے لیے اسے عقل دی اور عقل کی مزید رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام بھیج کر انسانی جماعتوں کو تعلیم دیتا رہا اب اُس نے قرآنِ حکیم کی شکل میں بین الاقوامی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱: تحالات تساز گار پیدا ہو گئے تو انسان مقدر انسانِ خارجی کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ اس مرتبے میں ربوبیت کے دو شعبے ہو گئے۔ پہلا شعبہ ان احکام کا ہے جو زمانے کی قیود سے بالاتر ہے۔ ان احکام پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً انسان میں ضحک (ہنسی)، نطق، ارتفاقات ضروریہ اور نیکی اور بدی کے اصول جو نوعی تقاضے انسانی افراد کو اسی طرح بذریعہ الہام پہنچاتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو طبیعی الہام اُن کی صورت نوعیہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسری ربوبیت ان احکام کے ذریعے سے ہوتی ہے جو زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان ہر زمانے میں اپنی نوعی صورت سے مطابقت پیدا کرتا رہے اور نیکی اور بدی کے اصولوں کو ہر زمانے کے مناسب شکلوں میں اختیار کیے رکھے۔ (مرتب)

Marfat.com

دستورِ حیات بھیج دیا ہے۔ اس لیے اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے، جو انسانی معاشرے میں قرآن حکیم کے مطابق نظام پیدا کرنے اور چلانے میں اپنی پوری ہمت صرف کر دے۔

کائناتوں کا قانون | اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بھی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے کہ وہ

یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ صرف اقوام و افراد کی تربیت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والی تحریکات اور نظامہائے ثقافت کی بھی تربیت کرتا ہے چنانچہ ہر اذان کے بعد ہمیں جو دعا مانگنی سکھائی گئی ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ الخ

اس میں دعوۃ (نماز کے لیے پکار) کی ربوبیت اور الصلوٰۃ القائمہ کی ربوبیت کی دعا مانگی گئی ہے۔ یہ دعا اس لیے سکھائی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جو ایک عظیم الشان تحریک کے بانی اور ایک نظام کے قائم کرنے والے ہیں وہ مقامِ محمود حاصل کریں۔ اس مقامِ محمود کا وعدہ آپ سے اس آیت میں کیا گیا ہے: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۱۷: ۷۹، تیرا رب عنقریب تجھے مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا)۔ مقامِ محمود قرآن حکیم کا بین الاقوامی غلبہ عظیم ہے جو ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کو حاصل ہو چکا ہے جب بنی عباس نے بغداد میں بین الاقوامی مرکز قائم کیا اور پھر ہند میں مسلمانوں نے اسی قسم کا مرکز قائم کیا۔ لیکن اس کا ظہورِ کامل اس وقت ہوگا جب تمام انبیا کی قومیں لوائے محمدی کے نیچے آجائیں گی اور قرآنِ حکیم کے قانون کی فرمانبرداری کرنے لگیں گی (مرتب)

Marfat.com

تمام دنیاؤں کا خالق ہے ۔اُس نے کروڑوں کائناتیں پیدا کر رکھی ہیں ہر ایک کائنات

کائنات کی وسعت

[1] کائناتِ عظمیٰ (سب سے بڑی کائنات جو تمام کائناتوں پر مشتمل ہے) اس میں ہمیں اپنی دوربینوں (Telescopes) کی مدد سے بیس لاکھ جزیرائی کائناتیں (Island Universes) دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی کائناتیں جو ہماری ناقص دوربینوں کی پہنچ سے باہر ہیں، اُن کی تعداد کروڑوں ہوگی۔ ہم خود ایک "جزیرائی کائنات" میں بستے ہیں، جسے کہکشانی کائنات (Galactic Universe) کہتے ہیں، کیونکہ یہ اس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے، جو رات کو ہمیں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔

یہ جزیرائی کائناتیں سحابوں (Nebulae[1]) کی شکل میں نظر آتی ہیں اور ہماری کہکشانی کائنات سے لاکھوں نوری سال[2] کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ہمارا نظام شمسی (Solar System) اس کہکشاں کے اندر ستاروں کے ایک جھرمٹ (Star Cluster) میں واقع ہے، جس میں ایک اندازے کے مطابق ۷۰ ہزار ملین (ملین = دس لاکھ) اور دوسرے اندازے کے مطابق ایک لاکھ ملین ستارے (اسورۃ ۱۲)
(Crowther, J.G: An outline of Universe Chapter I & II) (مرتب)

---

[1] مادّے کے روشن بادل [2] ایک "نوری سال" (Light Year) سے وہ فاصلہ مراد ہے جو روشنی کی کرن ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی ثانیہ (سیکنڈ) کی رفتار سے چلتی ہوئی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ یہ پانچ کھرب، اٹھاسی ارب میل سے زیادہ ہے۔ علم ہیئت میں ستاروں وغیرہ کے فاصلے اتنے لمبے شمار میں آتے ہیں کہ جلد ہی ہمارے
(باقی صفحہ پر)

Marfat.com

پورے نظام کے ساتھ ایک جامع قانون کے تحت ترقی و ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ کائنات عظمیٰ کی ایک اہم مخلوق — انسان — کو بغیر کسی رہنمائی اور دستور حیات کے چھوڑ دیتا؟ بڑی کائنات میں ایک ایک ذرہ قانون کے تحت کام کر رہا ہے۔ ساری کائنات میں کامل آہنگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے کہ زمین پر ہر ایک نوع کی زندگی کے خاص قاعدے مقرر ہیں ان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: معیار سے ہندسے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ان فاصلوں کو میلوں میں ظاہر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حد طویل فاصلوں کے ظاہر کرنے کے لیے "نوری سال" کو بنیاد بنا کر کہا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ دس نوری سال یا دس ہزار نوری سال یا دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ (مرتب)

کائنات میں اہم آہنگی

قرآن حکیم کی سورۃ الملک میں آتا ہے کہ: مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ (۶۷: ۳-۴) یعنی کیا تجھے خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں تجھے فتور دکھائی دیتا ہے؟ پھر لوٹا لوٹا کر دو دفعہ نگاہ دوڑا تیری نگاہ درماندہ ہو کر اور تھک ہار کر واپس آ جائے گی اور تجھے کہیں کوئی فرق و فتور نہ پائے گی۔ ان آیات کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (مشیر سائنس برائے صدر پاکستان) نے کراچی یونیورسٹی میں ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو ایک لیکچر دیا جس کا عنوان "مادے کے بنیادی ذرات" (Fundamental Particles of Matter) تھا۔ اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ ساری کائنات میں انتہا درجے کی یکسانیت اور موزونیت پائی جاتی ہے اور کہیں کوئی فرق یا بے قاعدگی دکھائی نہیں دیتی۔ (مرتب)

Marfat.com

کی "شریعت" ہیں اور وہ اس "شریعت" کے تحت چل رہی ہے۔ یہ شریعت اس نوعِ حیوان کی فطرت کے تقاضے پوری کرتی ہے۔ انسان کی بھی ایک فطرت ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے بھی ایک دستورِ حیات ہونا چاہیے۔ وہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطے اور دستور کے ذریعے سے تمام اقوام کو اپنی انسانی فطرت کی تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے +

(۲) الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ان دونوں لفظوں کا مادّہ رحم ہے جسے سب جانتے ہیں۔ یہ اس سلوک سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جو ماں باپ اپنی اولاد سے کرتے ہیں +

"آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانے میں ایک عورت کسی غزوے میں گرفتار ہو کر آئی۔ اس کا بچّہ گم ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں محبت کا یہ جوش تھا کہ جو بچّہ مل جاتا اُسے سینے سے لگا لیتی اور دودھ پلاتی۔ آنحضرت صلعم نے دیکھا تو حاضرین سے فرمایا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت اپنے بچّے کو آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کیا، ہرگز نہیں۔ فرمایا:۔ خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبّت ہے"

"ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلعم کے حضور میں ایک پرندہ مع اس کے بچوں کے چادر میں لپٹا ہوا لایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک جھاڑی میں سے یہ بچے اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لایا۔ اس کی ماں یہ دیکھ کر میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا کپڑا کھول دیا تو یہ فوراً بچوں پر

Marfat.com

گر پڑی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی محبت پر تمہیں تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدرجہا زیادہ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ایک سو حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہے۔ انسان کو انسان سے محبت ہے حیوان کو حیوان سے محبت ہے۔

دنیا میں انسان کی تربیت ماں باپ کے ذریعے سے ہوتی ہے (دوسرے حیوانوں کی زندگی کا بھی عموماً یہی قاعدہ ہے) پھر ایک وقت آتا ہے کہ ماں باپ کی ضرورت نہیں رہتی اور خود کسی انسانی فرد کا ماں یا باپ بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی اولاد کے لیے ویسی ہی رحمت اور محبت اپنے اندر پاتا ہے جیسی اس کے ماں باپ خود اس کے لیے ظاہر کرتے تھے۔

دنیا میں جتنے ماں باپ آج تک ہو چکے ہوں، یا قیامت تک ہوں گے (انسانوں کے ہوں یا حیوانوں کے) اُن سب کی مہر پدری اور محبت مادری کو جمع کر کے اسے سو گنا کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے (او کما قال)

رحمٰن اور رحیم | ذرا غور کیا جائے، تو باپ اور ماں کی محبت میں ایک طبعی

Marfat.com

فرق نظر آتا ہے:

باپ چاہتا ہے کہ اُس کی اولاد کمال حاصل کرے خواہ اولاد کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

ماں کی ممتا چاہتی ہے کہ اُس کی اولاد کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جو پہلو باپ کی محبت سے مشابہ ہے وہ رحمانیہ اور جو ماں کی محبت کی مانند ہے وہ رحیمیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت چاہتی ہے کہ انسان مشقتیں اٹھا کر بھی کمال کے درجے طے کرتا رہے۔ چنانچہ سورہ الرحمٰن میں آتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا) (۵۵: ۱، ۲) اب قرآن حکیم پڑھنا پڑھانا، اُس کے اصول کی اشاعت کرنا، اُن پر جماعت تیار کرنا، اُس کے دستور کو دوسرے دستوروں پر غالب کرنا اور اُس کی حفاظت کے لیے لڑنا مرنا، یہ سب رحمانیت کا تقاضا ہے۔ اُس کی رحیمیت کا تقاضا ہے کہ اُس کے محبوب بندے اپنے اعمال کے نتائج سے بہترین فائدے حاصل کریں اور ہر قسم کی تکلیف، غم اور خوف سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ سورہ الشعراء میں مومنوں اور کافروں کا تقابل کیا گیا ہے۔ کافروں کی نسبت بتایا گیا ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور وہ مغلوب ہوں گے اور مومن پر رحم کیا جائے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنی صفات ذکر فرماتا ہے یعنی وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۲۶: ۹) (تیرا رب ہی عزیز اور رحیم ہے) گویا "العزیز" ہے بمقابلہ کفار جنہوں نے خدائے عزیز کی عزت کے خلاف کام کیا

Marfat.com

یہ لوگ ضرور عذاب میں مبتلا ہونے چاہئیں اور الرحیم ہے مومنوں کے ساتھ اس لیے وہ انہیں جنّۃ میں جگہ دے گا جہاں انہیں کوئی تکلیف اور زحمت نہ ہوگی پس قرآن حکیم میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر آئے گا وہ ان دو معنوں میں سے کسی معنی میں آئے گا اور اس کا مرجع یہ بنیادی آیت کریمہ ہوگی +

بچہ ماں باپ کے بھروسے ہی پر ترقی کر سکتا ہے۔ جہاں ماں باپ کی قوتیں جواب دیتی جائیں اور اَلرَّحْمٰنِ اور اَلرَّحِیْمِ پر انسان کا بھروسہ بڑھتا جائے، وہ اپنی فطرت کے مطابق ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی انسانیت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے اور اس طرح انسانی فطرت کی طلب پوری ہو جاتی ہے +

رحمت کی وسعت | الرحمٰن اور الرحیم کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لیے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کی طاقت کا اندازہ لگاؤ وہ تمام کائناتوں کو ارتقاء کی منزلوں سے گزار رہا ہے۔ وہ انسانی جماعتوں کے لیے ترقی کی راہیں کھولتا ہے اور اُن کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان کرتا ہے۔ اگر انسان اتنی وسیع طاقت کے مالک رَبُّ الْعَالَمِیْنَ پر بھروسہ کرنا سیکھ لے، جس کی محبت اور رحمت تمام دنیا کے ماں باپوں کی محبت سے سینکڑوں گنا وسیع ہے اور جس کی طاقت (تجلی)، تمام کائناتوں کے گوشے گوشے تک پہنچتی ہے، تو انسان کی ترقی کی راہ میں کونسی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے؟

تمام کائناتوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہی سے ہوا ہے۔ ان

Marfat.com

کائناتوں کے اندر ارتقاء کے جو قوانین جاری ہیں اور اُس کی رحمیت نے [illegible] کی راحت کے لیے جو سامان اس زندگی کے لیے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے پیدا کر رکھے ہیں، اُن کا جتنا علم انسان کو ہوتا جاتا ہے، اُتنا ہی وہ اس بات کا قائل ہوتا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم کے تمام کام ہر لحاظ سے قابلِ تعریف اور لائق ستائش ہیں۔

نوٹ :- اس سورت کا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سورۃ الناس کے رَبُّ النَّاسِ ہی کا قائم مقام ہے۔

(۳) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ :

نظامِ عدل کی ضرورت | جنگل کے درختوں اور پودوں کو ربوبیتِ الٰہی غذا بہم پہنچاتی ہے، تو وہ نشوونما پاتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے اُن کی شاخیں آپس میں پھنس جاتی ہیں۔ اس وقت ضرورت ہوتی ہے، کہ کوئی مالی ہو جو اُنہیں الگ کر دے اور ضرورت ہو تو چھانٹ ڈالے، تاکہ وہ اپنے اپنے حلقے میں بڑھتے رہیں۔ یہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

اِسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مختلف استعداد کے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اُن کی انفرادی فطرت کی تکمیل کرتی ہے تو طبعی طور پر ان میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں جب یہ اختلافات بڑھتے ہیں تو معاشرے (Society) میں ایک فرد دوسرے فرد پر ظلم کرنے لگتا ہے۔ اب جو شخص اس معاشرے کو باہر سے دیکھے گا وہ فرشتوں کی طرح

Marfat.com

یہی کہے گا: أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (بقرہ: ۳۰)
(کیا تو کرۂ زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنی چاہتا ہے، جو اسے خراب کرے اور خوں ریزی کرے ؟) لیکن جو شخص اسے اندر سے دیکھے گا، اُسے معلوم ہو جائے گا، کہ انسان کے ہر ایک فعل کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور یہ سلسلۂ اسباب مسلسل چلا جاتا ہے۔ انسانی معاشرے کے اندر سلسلۂ ظلم و طغیان بھی سلسلہ اسباب سے خارج نہیں ہے۔ یہ انارکزم (Anarchism) نہیں ہے۔

انسانی معاشرے میں بعض اسباب کے زیر اثر ظلم و طغیان کا ظہور ہوا، تو حکمتِ الٰہی نے اُسے یونہی نہیں چھوڑ دیا، کہ انسان کٹ کٹ کر فنا ہو جائیں بلکہ اُس نے نظامِ عدل پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ انسان اپنی ترقی کے لیے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے، جو اس کی ربوبیۃ کی تفسیر ہے اسی طرح عدلِ حق کا بھی محتاج ہے جو اللہ تعالیٰ کی مالکیۃ اور ملوکیۃ کا ترجمان ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ مالکیت اور ملوکیت سب سے زیادہ واضح شکل میں انسانی نظام ہی میں ظاہر ہوتی ہے؛ کیونکہ اس کی قدرت اور قہرمانی باقی تمام غیر ذی ارادہ اشیاء پر اُن کے ارادے کے بغیر ہی قائم ہے؛ لیکن انسان خود اپنے ارادے اور فیصلے سے اللہ تعالیٰ کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کرتا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے؟

پس اس سورۃ کا مٰلک یوم الدین سورۃ الناس کا ملک الناس ہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ معاشرۂ انسانی کے قیام و قوام اور ترقی کے لیے ایک

Marfat.com

نظامِ عدل کی ضرورت ہے وہ بادشاہت کے ذریعے سے قائم ہو یا عوامیت اور جمہوریت کے ذریعے سے قائم ہو، کسی طرح سے بھی ہو[19]۔

امام ولی اللہ دہلوی کا نظام عدل[19] امام ولی اللہ دہلوی نظام عدل کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

(۱) ارتفاق ثالث: اس کی حقیقت یہ ہے، کہ اصول مذکورہ کے مطابق انسان کے لیے تمدنی زندگی لازم ہے کیونکہ حقیقت میں شہر سے مراد فصیل، منڈی، اور بلند عمارات نہیں ہیں، بلکہ اس سے مختلف انسانی جماعتوں کے مابین ارتباط مراد ہیں اور اصول مذکورہ کی رد سے مختلف جماعتوں میں ارتباط پیدا ہونا طبعی طور پر لازم ہے۔ یہ تمام انسانی جماعتیں آپس کے معاونات اور معاملات کی وجہ سے ایک "شخصیت" پیدا کر لیتی ہیں۔ لیکن یہ شخصیت معنوی ہوتی ہے اور خارجی یا داخلی اسباب اس کی شخصیت میں صحت اور مرض کی حالت پیدا کرتے رہتے ہیں لہذا شہر کے لیے ایک ایسے "طبیب" کی ضرورت ہے جو حتی للامکان اس کی صحت قائم رکھے اور اگر مرض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کا معالجہ بھی کر سکے۔ امام مع اپنے کارندوں کے تمدن کا طبیب ہوتا ہے۔

("البدور البازغہ" ص۵ سطر۱ تا ص۵ سطر۴)

(۲) ایک اور جگہ "مدینہ" (شہر) کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اس میں (یعنی "شہر" میں) البتہ ایک وحدت ہوتی ہے۔ تو اس وحدت کا صحت کے ساتھ قائم رکھنا لازم ہے تاکہ تمدنی زندگی کے منافع کی تکمیل ہو سکے۔ تو وہ تدبیر (نظام) جس سے صحت قائم رہتی ہے اور تکمیل منافع ہوتی رہتی ہے، وہی حقیقت میں امام ہے

ولیس الامام عندنا ھو شخص الواحد الانسانی ہمارے نزدیک امام کوئی انسانی فرد نہیں ہوتا البتہ اگر کوئی انسانی فرد شہر کا حاکم بن جائے اور وہ یہ نظام

(باقی ص۴۳ پر)

Marfat.com

انسانیت ذمہ داری کا نام ہے | انسان کی انسانیت میں اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ وہ ایک بات سمجھ لے اور پھر اُسے عمل میں لانے اور اُسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذمہ اٹھالے۔ وہ اینٹ پتھر نہیں ہے کہ ہلایا تو ہل گیا، ورنہ ساکن پڑا ہے۔

(حجۃ ... ص۴۲) قائم کرنے کی استعداد بھی رکھتا ہو گو وہ اپنی ذات سے آمر مطلق ہی کیوں نہ ہو اور شہری زندگی (اس کے تحمل سے) پوری صلاحیت سے چلے، تو اس لفظ کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے وہ بھی امام کہا سکے گا (ایضاً ص۴۲)

(۳) شہری زندگی کی تنظیمی ضروریات پر بحث کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:

چونکہ مدینہ تامہ میں لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو جاتی ہے اور ان کی طبیعتوں اور غرضوں کے اختلافات کی وجہ سے آراء کے اختلاف کے باعث کسی نظام کا قیام مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو نظام قائم کر سکے۔ ایسا شخص جو مذکورہ بالا (پانچوں صفات) کا حامل ہو، امام برحق ہوتا ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثر اوقات جو امر واقع ہوتا ہے یہ ہوتا ہے کہ ایک صفت ایک شخص میں پائی جاتی ہے اور دوسری کسی اور میں ... ایک ضرورت کے لیے ایک رسم موجود ہوتی ہے، جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے یا ایک ایک پیشے کے لوگوں کا چودھری ہوتا ہے جس کی رائے مانی جاتی ہے یا اجتماع من عقلاء القوم وماثر یہم (قوم کے عقلمندوں اور سربرآوردہ لوگوں کا اجتماع) ہوتا ہے۔ جو نظام قائم رکھتا ہے" ایضاً ص۴۲، ایک اور جگہ (ایضاً ص۱۸۱) "عقلاء" کی جگہ "حکما" بھی فرماتے ہیں +

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا کا رجحان اس طرف ہے۔ چنانچہ بی۔ اے سالکوں

(باقی ص۴۴ پر)

ہم اپنی روزانہ زندگی میں "نوکر" اور "غلام" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ نوکر اور غلام خود سوچ کر اپنی ذمہ داری پر کوئی کام نہیں کر سکتے؛ اس لیے ان پر "انسان" کا لفظ پوری طرح صادق نہیں آتا۔ اصل میں "انسان" کا ترجمہ حُرّ (آزاد) ہے، یعنی وہ خود سوچ کر اپنی ذمہ داری سے کام کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۲) [illegible] لکھتے ہیں کہ

"Three significant trends in the qualifications of the new governments are already observable.

The first of these trends manifests itself in the repidly increasing role of scientists and experts in the planning, developing, controlling and executing of an ever-increasing part of the important governing activities and policies." (Sorokin P. A. *The Basic Trends of our Times*, College and University Press, New Haven, Coun U.S.A. P. 55.)

نئی حکومتوں کے اوصاف میں تین معنی خیز رجحانات نمودار ہوتے صاف دکھائی دینے لگے ہیں: پہلا رجحان حکومتوں کی انتظامی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی منصوبہ بندی، تکمیل، نظم و نسق اور تعمیل و نفاذ میں حکماء (سائنسدانوں) اور (ہر شعبۂ حیات کے) خصوصی ماہرین کی سرعت سے بڑھتی ہوئی اور زیادہ سے زیادہ حصہ داری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس جوہرِ حریت کو ترقی دینے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ انسان کو یقین دلا دیا جائے، کہ خدائے رحمٰن و رحیم نے اُس کی ترقی کے تمام سامان پیدا کر دیے ہیں۔ اگر وہ اُن اسباب سے کام لے اور اپنے فرائض ادا کرے، تو اُس کی ترقی کے لیے وسیع میدان موجود ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے، تو اُسے سزا بھگتنی ہوگی؛ کیونکہ اُس کے اعمال کے نتیجے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے ہر ایک انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں گِروی ہے اور وہ اس نتیجے سے کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ دُنیا کی کوئی طاقت اسے اس نتیجے سے آزاد نہیں کر سکتی۔

انسان میں یہ یقین جتنا زیادہ قوی ہوگا، وہ اتنا ہی اعلیٰ درجے کا نظام پیدا کرے گا اور اُسے چلائے گا اور جتنے زیادہ انسانوں کو یہ یقین حاصل ہوگا اُتنی ہی انسانیت ترقی کرے گی۔ جتنا یہ یقین کمزور ہوگا، اُتنی ہی انسان کی انسانیت کمزور ہوگی۔ وہ کام کرے گا لیکن، اپنے آپ کو اپنے کاموں کے نتیجوں کا ذمہ دار نہیں سمجھے گا۔ ایسا شخص انسان نہیں، نرا حیوان ہے۔ وہ جتنا ظلم کرے کر سکتا ہے۔

عمل اور اُس کا نتیجہ | امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فعل کی تکمیل سے پہلے اس کا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ جونہی اُس کا فعل پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، اُس کا نتیجہ — جزا یا سزا — مرتّب ہو جاتا ہے گو کبھی وہ نتیجہ فی الفور ظاہر نہیں ہوتا۔ پس انسان اپنے تمام

Marfat.com

اعمال میں مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا محتاج ہے جو انسان کے اعمال کے نتائج مرتب کرے۔

دین کے معنی ہیں جزا۔ ہر ایک حرکت کا نتیجہ نکلنا ایک کائناتی قانون ہے اور اسی عمل کو نظام کلی (UNIVERSAL) کہتے ہیں اس نظام کلی کے تحت عملوں کی جزا یا سزا مرتب ہوتی ہے۔ اسے قانونِ مجازات کہتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انسان کو اس دنیا میں بھی جزاء اعمال ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی چنانچہ انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ (ج ۱) میں "مبحث کیفیۃ المجازاۃ فی الحیاۃ وبعد الممات" کے عنوان سے ایک مستقل بحث لکھی ہے۔

بقول امام صاحب قانون مجازات کی اصل (Application) حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے۔ چنانچہ اگر حیوان ضرورت سے زیادہ چارہ کھالے تو اسے تخمہ ہو جاتا ہے یا اگر زہریلی بوٹی کھا جائے تو سخت دردِ شکم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر درخت اپنی طبعی ضرورت سے زیادہ پانی جذب کر لے تو اس کا پھل خراب ہو جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ: چونکہ انسان کو نہایت ذکی اور لطیف نفس دیا گیا ہے، اس لیے اس کے حق میں مجازات دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے یعنی قسم اول اُن افعال کے بارے میں جن کا تعلق بدنِ انسانی کے ساتھ ہے جیسے زیادہ کھا جانے سے تخمے (اپھارے) میں مبتلا ہو جانا یا زہر کھا کر مر جاتا

Marfat.com

یہ افعال جان بوجھ کر کیے جائیں یا غلطی سے سرزد ہوں یا کسی کے جبر واکراہ سے کرنے پڑیں۔ ان افعال کا اثر ضرور نکلتا ہے۔ ان افعال میں یہ شرط نہیں ہے کہ کرنے والے نے اپنے ارادے سے جان بوجھ کر کیے ہوں۔

قسم دوم اُن افعال کے بارے میں جو انسان کا نفس اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے اور اس کا نفس تاملقان کا رنگ اپنے اندر لیتا ہے۔

امام صاحب جزاء کے چار موطن (Levels) قرار دیتے ہیں

(۱) اس دنیا میں؛ (۲) عالم برزخ میں؛

(۳) عالم حشر میں؛ اور

(۴) مجازات اجتماعی یعنی نوع انسان کی کلی جزاء

اس موضوع پر امام صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں تفصیل سے لکھا ہے، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے [دیکھیے "التفہیمات الالٰہیہ" شائع کردہ المجلس العلمی، ڈابھیل (سورت، بھارت) صفحات ۲۴۳ تا ۲۵۶]

یوم الدین کی ضرورت (۱) اللہ تعالےٰ نے انسان کے عمل کے نتائج مرتب کرنے اور اس کے کاموں کا بدلہ دینے کے مختلف قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی قاعدے کے مطابق دنیا یا آخرت میں اس کے عمل کا اچھا یا برا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ فرض کرو کہ بعض خاص حالات میں

Marfat.com

کسی شخص کو اپنے عمل یا عملوں کا بدلہ نہیں ملا (مثلاً سزا سے بچ گیا یا جزا پانے سے محروم رہ گیا)، تو ضرور ہے کہ ایک دن ایسا ہو، جب اُسے اُس کے عملوں کی پُوری پُوری جزا یا سزا ملے۔ اسے یَوْمِ الدِّیْن کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس وسیع اور غیر محدود طاقت کے ساتھ تمام کائناتوں کا انتظام کرتا ہے اور تمام دنیا کی قوموں کی ترقی کے سامان بہم پہنچاتا ہے، اُسی وسیع اور لامحدود طاقت کے ساتھ ہر ایک انسان سے اُس کے اعمال کی بازپرس بھی کرے گا۔ اس لیے وہ مالک یومِ الدین کہلاتا ہے۔[۵۲]

(۲) کسی انسان کا ایک فعل لمحوں اور ثانیوں میں تکمیل نہیں پاتا۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے عمل کا نتیجہ دنوں، ہفتوں یا برسوں میں نکلے؛ لیکن اگر کوئی بہت بڑا اجتماع کوئی عمل کر رہا ہو، تو وہ صدیوں سے پہلے تکمیل نہیں پا سکتا۔ اس کا نتیجہ بھی صدیوں ہی میں مرتب ہو سکتا ہے۔ اجتماعیتِ عامہ میں، جس میں تمام اقوام اور ساری کی ساری انسانیت شریک ہو، جو عمل ہو رہا ہے، وہ انسانیت کے ساتھ ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے اور کرۂ زمین سے انسانیت ختم ہو جائے۔ کیا انسانیتِ عامہ کے نوعی اجتماعی کام کی جانچ (Assessment) کے لیے کوئی وقت نہیں ہونا چاہیے؟ جس طرح افرادِ انسانی اور چھوٹے

---

[۵۲] تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں یہی بات انسان کو سمجھانے کے لیے آئی ہیں یہ چیز کبھی کسی نبی کے ذریعے سمجھائی گئی ہے کبھی اس کے قائم مقام کے ذریعے سے جسے حکیم کہتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھی)

Marfat.com

انسانی اجتماعات کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اسی طرح نوعِ انسان کی اجتماعی اور اجتماعی جانچ پڑتال بھی ہوگی یہ کام اللہ تعالیٰ نے یَوْمُ الدِّیْن پر اٹھا رکھا ہے[۱]۔

(۳) معاشرے میں بعض لوگ اس کام پر مقرر ہوتے ہیں، کہ لوگوں کو اُن کے اعمال کی جزا دیں، لیکن یہ جزا دینے والے بھول چوک سے یا جان بوجھ کر غلطی کر جاتے ہیں۔ اس غلطی کا تدارک بعض اوقات اس دنیا میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک یَوْمُ الدِّیْن ہو جس میں حاکموں اور فیصلہ کرنے والوں کے غلط فیصلوں پر نظرِ ثانی کی جائے اور لوگوں پر جو ظلم ہوا ہو، اس کا تدارک کیا جائے یہ بھی یَوْمُ الدِّیْن پر موقوف ہے

(۴) خدائے رحمان و رحیم انسانوں کو جتنی نعمتیں عطا فرماتا ہے اگر انسان ان کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اُسے ان سب نعمتوں کا حساب دینا ہوگا، تو وہ ہر موقع پر سوچ سمجھ کر کام کرے گا۔ اور کسی نعمت کو ضائع نہیں کرے گا قرآن حکیم فرماتا ہے کہ: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط (۲: ۲۸۴) یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر کرو یا چھپائے رکھو، ہر حالت

---

[۱] سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝ (ہم عنقریب تم دونوں گروہوں کے لیے فارغ ہو جائیں گے) الرحمٰن ۵۵ : ۳۱ (مرتب)

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔)

جملہ معترضہ | بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے اور پھر آگے اس آیت کی تشریح میں تقریریں بناتے ہیں۔ کیا انہوں نے انسانیت اور اس کی ذمہ داری کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اتنی مخلوق پیدا کر کے انسان کو اپنے خلیفہ (نائب) کے طور پر ان سب پر حاکم بنایا ہے۔ کیا وہ اَحْکَمُ الْحَاکِمِین اپنے نائب سے حساب نہ لے گا؟ اگر انسان حساب دینے سے انکار کرتے ہیں، تو وہ گویا انسان نہیں بننا چاہتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (۲۸۶:۲) (اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے۔ تو ہم پر گرفت نہ فرمائیے) آیت محاسبہ کی ناسخ ہے حالانکہ وہ اس کی تکمیل کرتی ہے۔ اصل میں ان لوگوں کا کام ہی یہی ہے کہ تمام کام کی آیتوں کو بیکار بنا کر رکھ دیں۔ ہمارا فکر یہ ہے، کہ ان لوگوں نے بچوں کو سکھانے کے لئے تفسیریں لکھی تھیں، ورنہ بڑی عمر کے لوگ، تو زندگی کے تجربوں سے قرآن آسانی سے سیکھ لیتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ اب ناسخ و منسوخ کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ سارا قرآن اصل اور قابل عمل ہے۔

(جملہ معترضہ ختم ہوا)۔

حدیث شریف (مسلم) میں آیا ہے، کہ قیامت کے روز

خدا تعالیٰ ہر ایک انسان سے الگ الگ سوال جواب کرے گا۔ اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ میں نے تجھے رزق دیا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ بندہ کہے گا یا اللہ! تو تو بھوک پیاس سے پاک ہے، تجھے روٹی کیا دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ یہ عاجز بھوکا انسان تیرے پاس آیا۔ تو نے اسے روٹی نہ دی۔ اگر اسے روٹی دے دیتا تو وہ مجھے پہنچ جاتی۔ پھر جماعت سے سوال ہوگا۔ کہ تم نے اس نبی کی بات کیوں نہ مانی؟ الغرض زندگی کی تمام نعمتوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔

(ا) ایک نعمت ایک انسانی فرد کو دی گئی ہے۔ اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔

(ب) ایک نعمت ایک جماعت (قوم) کو دی گئی ہے، اس کا حساب اسے دینا ہوگا۔

(ج) جو نعمتیں انسانیت عامہ کو دی گئی ہیں، ان کا حساب ساری انسانیت کو دینا ہوگا۔

اس غرض کے لیے ساری انسانیت کا میدان حشر میں جمع کیا جانا ضروری ہے تاکہ سب کا انفرادی اور اجتماعی حساب لیا جائے یہ یَوْمِ الدِّیْن ہی کو ممکن ہے۔

انسان کو یہ بات، کہ اسے خدا تعالیٰ کے رو برو جواب دینا ہوگا اپنی زندگی کے تمام درجوں میں یاد رکھنی چاہیے۔

Marfat.com

(۵) اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کر کے انسان کو اس کا حاکم بنا دیا ہے۔ وہ اُن سے کام لیتا ہے اور فائدے اٹھاتا ہے کیا اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن اپنے نائب سے اُس کی ذمہ داریوں کا حساب نہ لے گا؟ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، وہ گویا انسان نہیں بننا چاہتے؛

مختصر یہ کہ انسانیت کی ترقی کے لیے ایک نظامِ عدل کی ضرورت ہے، جس کے تحت قانونِ مکافات، پوری طرح سے عمل کرے؛ لیکن اُسے انسان کی موجودہ زندگی میں ایسے حالات اور قوانین کے تحت کام کرنا پڑتا ہے کہ ان قوانین کے طبعی تقاضوں کی وجہ سے قانونِ مکافات اپنا پورا عمل نہیں کر سکتا[1]۔ اس لیے نہ افراد اور اقوام کے ظلموں کی پوری سزا مل سکتی ہے، نہ حاکموں کے ارادی اور غیر ارادی غلط فیصلوں کی اصلاح ہو سکتی ہے؛ نیز افراد، اقوام اور انسانیتِ عامہ کے کام جاری رہتے ہیں جن کا انجام اُس وقت ہوگا، جب نوعِ انسان کا خاتمہ ہوگا۔ ایسے ہی افراد اقوام اور انسانیت عامہ کو جو نعمتیں دی گئی ہیں اُن کے استعمال کا حساب نوعِ انسان کے خاتمے ہی پر لیا

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ "جب اُن اسباب میں جن پر فیصلے کا اجرا، موقوف ہے، طبعی طور پر تعارض پیدا ہو جائے اور اُس فیصلے کے مطابق موجودات پیدا ہونے چاہئیں ان کا کلی طور پر وجود میں لانا ممکن نہ ہو، تو اس وقت حکمتِ الٰہی ان اشیاء کی رعایت کرتی ہے (یعنی ان اسباب کو کام کرنے دیتی ہے) جو خیرِ مطلق کے زیادہ قریب ہوں۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۸) (مرتب)

Marfat.com

جا سکتا ہے۔ یہ سب امور نوعِ انسانی کے اس دور کے خاتمے پر ایک یَوۡمُ الدِّیۡن کا تقاضا کرتے ہیں، جب پورا پورا حساب لیا جائے اور مکمل عدل کیا جائے۔ یہ دن ضرور آئے گا اور اُس وقت اللہ تعالیٰ حساب لینے اور انصاف کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کرے گا +

یَوۡمُ الدِّیۡن پر ایمان کا فائدہ | جب انسان یومِ جزا کی معرفت پر پورا یقین کر لیتا ہے، تو وہ اس بات سے بے فکر ہو جاتا ہے کہ اُس کا کوئی حق مارا جائے گا، یا وہ معاشرے کی خدمت کے لیے جو کام کرے گا، جزا سے محروم رہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو جاتا ہے، کہ اگر اس حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق اس نے کسی عمل کی جزا اسے دنیا میں نہیں مل سکی یا جو ظلم اس پر ہوا، اُس کی اصلاح نہیں ہو سکی، تو یَوۡمُ الدِّیۡن پر اُسے وہ جزا مل جائے گی اور اُس روز اس کی پوری دادرسی کی جائے گی۔ اس امر کے کامل یقین ہی سے انسانیت کی تنظیم کی قوتِ قاہرہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر انسان کو آخری یومِ جزا کا یقین نہ ہو یا وہ اُسے تسلیم نہ کرتا ہو، تو وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور ظلم کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اس ذہنیت کے انسان کسی معاشرے میں اوپر آ جائیں، تو وہ بے انتہا ظلم کر سکتے ہیں +

غرض دنیا اور آخرت میں مُجَازَاۃ (اعمال کی جزا) کا جو سلسلہ

Marfat.com

کام کر رہا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اور اس تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ اور اسے اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ چلا رہا ہے۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ، اَلرَّحِیْم اور مٰالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف بخوبی کرا دیا۔ ان تمام صفتوں کا مرجع ذاتِ واحد ہے جسے اَللّٰہ کہا گیا ہے۔ ساری کائنات پر اس کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کے نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالو اور فرد، خاندان، قوم، بین الاقوامی اجتماع اور انسانیتِ عامہ میں ان صفات کے ظہور و عمل پر غور کرو، تو اللہ تعالیٰ کے کسی فعل و عمل میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور اس ذاتِ والا صفات کی ہر لحاظ سے تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ان صفات کا تصور انسان میں اِخْبَات کا گہرا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ!

جب انسانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعین ہو گیا۔ اور یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اقوام کا رب (پروردگار) ہے اور اس کی ربوبیت انسانی معاشرے میں ماں باپ کی ربوبیت جیسی لیکن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور تمام جھگڑوں کو چکانے والا (مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ) وہی ہے۔ اور وہی مظلوموں کے حقوق

ظالموں سے لے کر دے سکتا ہے، تو انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کی حکومت درکار ہے؟ اس حالت میں انسانیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت، حاکمیت، ملوکیت اور مالکیت کو قبول کرکے ترقی کر سکتی ہے۔ جب انسانیت اپنے آپ کو اللہ، رب العالمین اور رب الناس کے ساتھ باندھ لے۔ تو وہ کبھی حسرت میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ یہ معنی ہیں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے۔ گویا ہم اعلان کرتے ہیں کہ اللہ ربّ العزۃ کے سوا ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ ہم اُسی کی غلامی کرتے ہیں اپنے سارے دل کے ساتھ، اپنی ساری عقل کی معرفت کے ساتھ اور اپنے اعضاء و جوارح کی پوری تابعداری کے ساتھ۔ اب کوئی غیر اللہ ہم سے اس قسم کی پیروی، اطاعت، طاعت اور فرمانبرداری کی امید نہ رکھے۔

(۴) (و) اِیَّاكَ نَعْبُدُ: ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔

ہم تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ تیری کتاب دستور قرآن حکیم — کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کریں گے!

عبادت کیا ہے؟ | جب کوئی شخص قرآن حکیم کو بطور کتاب الٰہی تسلیم کرلے، تو اس کا فرض ہو جاتا ہے، کہ وہ اسے پڑھنے میں اتنی محنت صرف کرے کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ میں نے اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہے۔ اب وہ اس کتاب عظیم کے کسی حکم کی تاویل کرکے اُسے منسوخ کہہ کر ٹال نہیں سکتا۔ وہ اس کے

Marfat.com

ہر ایک حکم کی خوشدلانہ تعمیل کرے گا۔ یہی عبادۃ ہے +

قرآن حکیم میں ایک جگہ آیا ہے: اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (۷۵: ۱۷) امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام نے جس طرح قرآن حکیم جمع کیا وہ گویا خدا تعالیٰ نے جمع فرمایا ہے۔ آگے آتا ہے۔ وَقُرْاٰنَهٗ (یعنی ہم پر اس کا پڑھانا بھی واجب ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرماتا رہے گا، جو قرآن کو سمجھ کر آگے لوگوں کو سمجھاتے رہیں گے۔ اگر الفاظ قرآن حکیم کے پڑھے جائیں اور مطلب اپنا لیا جائے، تو یہ قُرْاٰن (پڑھنا) نہیں ہوگا۔ جب ہم قرآن حکیم کے کسی لفظ، کسی حرف یا کسی شوشے کو نہیں بدلتے تو اس کے معنی کو کیوں بدلیں؟

اِخْبَاتْ اِلَی اللہ | جب ساری کائنات میں ایک ہی اللہ کا قانون جاری ہے اور ہر ایک انسان اور ساری نوع انسانی اُسی کے آگے جوابدہ ہے، تو کامیاب سوسائٹی وہی ہوگی، جس میں اللہ تعالےٰ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا جائے، اسی سے محبت کی جائے، اسی کے قانون کو تسلیم کیا جائے اور اس کی پابندی کی جائے۔ اسے اِخْبَات کہتے ہیں +

ہم اپنے ماں باپ، اپنے اساتذہ، روحانی مشائخ اور عادل حُکّام کی عزت کرتے ہیں اور اُن کے لیے اپنے دلوں میں عزت، محبت اور

Marfat.com

اطاعت کا جذبہ رکھتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو رَبّ، رَحْمٰن، رَحِیْم اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن، تسلیم کر لینے کے بعد اخبات کے وہ تمام جذبات جو ہم ماں باپ، اساتذہ، مشائخ اور حکّام کے لیے اپنے دل میں پاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اب ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں۔ اور ان کی جو اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی محبت اور اس کی اطاعت کے نیچے آ جاتی ہے ہم ان سب سے محبت کریں گے اور ان کی اطاعت کریں گے کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور کراتے ہیں۔ اب ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف اس لیے ہو گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قانون کو عمل میں لائیں اور اس کے مقابلے میں اپنے نفس کی ہر ایک خواہش، ماں باپ، عزیز و اقارب، دوست احباب کی ہر ایک خواہش، استاد اور مرشد اور حاکم کے ہر ایک حکم کو ٹھکرا دیں جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے ٹکرائے کیونکہ اب ہم اللہ تعالیٰ کے غلام، اس کے بندے اور اس کے عَبْد بن چکے ہیں +

یہ وعدہ کہ میں "تیری ہی بندگی کروں گا" بڑا ذمہ داری کا وعدہ ہے۔ اس کا اقرار و اعلان کر دینے کے بعد انسان اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے اور اس کا بن چکنے کے بعد، وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا +

ہم خالص محبت کے ساتھ، دل کھول کر اور عقل کے ذریعے پوری معرفت

Marfat.com

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ پوری خوشی و خرمی کے ساتھ اپنے اعضاء و جوارح کو اس کے حکموں کی پیروی میں لگا دیتے ہیں اور غیر اللہ کو کسی معبودیت کا حقدار نہیں سمجھتے +

گو عُبُودِیَّت کے معنی واضح ہیں، لیکن بعض اوقات اس لفظ کے مجازی استعمال سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے معنی معین کر دیے جائیں۔ چنانچہ ان معنوں کی تعیین اس آیت کے اگلے حصہ میں کر دی گئی ہے +

(ب) وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ: ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں +

ہم نے جو ذمہ داری قبول کی ہے، اُسے پورا کرنے کے لیے بہت سے سامان کی ضرورت ہوگی وہ ہم تجھ ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لیے تجھ ہی سے مانگیں گے ۔ ہمارے پاس کام کرنے والی سوسائٹیوں کی تاریخ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے خدا سے مانگا اور خدا نے انہیں دیا[۲۳]

---

[۲۳] چنانچہ امیر المومنین سیّد احمد (شہیدؒ) ۱۸۲۱ء میں حج کو جانے لگے تو آپ کے پاس صرف سَو روپے کے قریب رقم موجود تھی۔ روانگی کے وقت آپ نے وہ روپیہ بھی غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا اور خالی ہاتھ گھر سے نکلے۔ حالانکہ آپ کے ساتھ چار سو سے اوپر لوگ تھے۔ خدا کے بھروسے پر گھر سے نکلے۔ ایسے ہی کلکتے سے روانگی کے وقت آپ سارے بیڑے میں سے کمزور ترین جہاز میں سوار ہوئے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں۔

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

Marfat.com

جب کوئی جماعت قرآن حکیم کے اصول پر | غیر انقلابی کبھی رد نہیں دیں گے
معاشرہ (سوسائٹی) تعمیر کرنے کے لیے اُٹھے گی، تو جو شخص یا جماعت اس انقلاب کو پسند نہیں کرتی وہ کبھی اس انقلابی جماعت کو آگے بڑھنے نہیں دے گی، مدد دینے کا تو کیا ذکر۔ اس لیے قرآنی انقلابی جماعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی +

برِ عظیم پاکستان و ہند میں قرآنی اصول پر انقلاب لانے والی جماعت دو باتیں ہرگز قبول نہیں کرے گی:

(۱) علمی سرمایہ داری (BRAHMANISM) اور

(۲) معاشی سرمایہ داری (CAPITALISM)

جو لوگ قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرنے کے لیے اُٹھیں، اُنھیں صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام کرنا ہوگا یہ بھروسہ

(بقیہ حاشیہ ص۵۸)
اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز رد کر دے گا۔"
اللہ کے فضل سے سارے بیڑے کے ساتھ آپ کا جہاز بھی وقت پر جدّہ پہنچا۔
(سیرۃ سیّد احمد شہیدؒ از سیّد ابوالحسن علی ندوی جلد اوّل ص۲۲۷ اور ص۳۲۰)

Marfat.com

جتنا مضبوط ہوگا، اُتنی ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے جلد اور زیادہ مدد حاصل ہوگی۔

"توحید" اور "حُرّیت" اگر کوئی شخص ہمیں اس انقلاب میں کچھ مدد دیتا ہے، تو اُس کی وجہ سے وہ اس بات کا حقدار نہیں بن جاتا، کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اُس شخص کے حکم کی اطاعت کریں۔ ہم اُس کی مدد کے لیے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں، اور اُس کی فیاضی کی تعریف بھی کر سکتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس کا کوئی حکم نہیں مان سکتے اس لیے کہ اصل میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اُنہیں کسی ذریعے یا واسطے سے کسی دوسرے کو پہنچا دینا یہ حق پیدا نہیں کر دیتا کہ پہنچانے والے کی عبادۃ کی جائے۔ اگر ایسے وسائط کو ہماری بندگی کا حق حاصل ہو جائے، تو انسانی معاشرہ میں انارکی (نراج) پیدا ہو جائے، کیونکہ ہر ایک "واسطہ" ہماری طاعت کا طلبگار بن جائے گا۔ اور ہم کسی کو بھی مطمئن نہیں کر سکیں گے جب انسان یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا خالق ہے اور وہی اس کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے، تو وہ حاجت روائی کے لیے غیروں کے دروازوں پر سر نہیں جھکاتا۔ توحید کا یہی مطلب ہے اور انسانی حرّیت قائم رکھنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔ اگر ہم یوں سوچنے لگیں، کہ

Marfat.com

ہماری کوئی حاجت غیر اللہ بھی پوری کر سکتا ہے، تو ہمیں ہر ایک معطی کا بندہ بن کر رہنا ہوگا اور ہماری فکر و عمل کی آزادی چھن جائے گی۔ گویا اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اصل میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں) کا طبعی نتیجہ اور اس کی تشریح ہے۔ پس کسی ترقی کن معاشرے کی بنیاد صرف اس اصول پر ہو سکتی ہے، کہ ہم اپنی حاجتیں پوری کرنے میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کریں +

جب انسان اپنی ذمہ داری پر اپنی سوسائٹی پیدا کرنے کا ارادہ کرے گا ۔ ایسی سوسائٹی جس میں صرف انسانیت کے طبعی تقاضوں کے مطابق ضابطہ اور دستور جاری کرے گا ۔ تو اُسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں مل سکے گی (اور نہ اُسے کسی اور سے مدد لینی ہی چاہیے) اس لیے کہ ایسی سوسائٹی کے چلانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی مدد قبول کی جائے گی، تو لامحالہ وہ اس کی قیمت وصول کرے گا اور اپنی غلامی کرائے گا، جس سے انقلاب ختم ہو جائے گا اور رجعت پسندی پیدا ہو جائے گی +

آیات ۱ تا ۴ میں انسان اور اُس کے خالق کی نسبت متعین ہو گئی، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اقوام کا رب ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اس کی ربوبیت ان میں اسی طرح سے عمل کرتی ہے، جس طرح سے باپ اور ماں کی محبت اور شفقت اولاد

Marfat.com

پر عمل کرتی ہے (الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) وہی رب اُن کے تمام جھگڑوں کا آخری فیصلہ کرنے والا اور اُن کے حقوق دلانے والا ہے (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) اب انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس حاکم یا مالک کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

یہاں سورۂ فاتحہ کا نصف حصہ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد کی آیات ہیں، جامع دعا سکھائی جاتی ہے، جو انسانیت عامّہ کی سب سے بڑی اور جامع ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے۔

(۵) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ یہ دُعا ہے۔

اِهْدِنَا: یہ ھدایۃ سے ہے، جس کے معنی ہیں رہنمائی کرنا یعنی جہاں پہنچنا ہے اُس منزل کی راہ بتانا۔

<u>دُعاء کی حقیقت</u> انسان کے ظاہری اعضاء میں علیحدہ علیحدہ قوتیں پوشیدہ ہیں۔ اُن قوتوں کو استعمال کرنا انسان کے لیے طبعی بات ہے۔ اُن سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے وہ اس کے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہے۔ مثلاً جس شخص کی آنکھیں صحیح سالم موجود ہیں، اُس کے لیے روشنی سے فائدہ اُٹھانا کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے یہ اُس کی شخصیت کا جزء ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ہر ایک عضو کی خاص قوت کو سوچ کر اپنے انا کا تصور بناتا ہے۔ چنانچہ جب انسان میں (انا) کہتا ہے

تو اُس میں چلنے، پکڑنے، سُننے، دیکھنے وغیرہ کی سب طاقتیں آ جاتی ہیں۔ اُسے کوئی تردُّد نہیں ہوتا، کہ انسان سُن نہیں سکتا۔ یا پکڑ نہیں سکتا؛ کیونکہ وہ یہ سب کیفیات اپنے اندر ہر وقت موجود پاتا ہے۔ جس شخص میں کوئی طاقت نہیں ہے، وہ اپنی شخصیت کو اس طاقت کے فوائد سے وابستہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے اوروں میں اُس طاقت کا ظہور و عمل اس کے لیے موجب حیرت ہوتا ہے۔ دماغی طور پر ترقی یافتہ انسان اپنے دماغی عمل سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ دنیا انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے[۱۲۴]۔ لیکن ان کے لیے وہ اعمال فطرت انسانی سے باہر کی چیز نہیں ہوتے۔ وہ انہیں اپنے اَنا میں مستور پاتے ہیں۔

انسان میں ایک قوت ہے جسے اِرَادَہ کہتے ہیں۔ اس کے استعمال سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں، جو آنکھ یا کان کی قوت سے نہیں ہو سکتے جب بدن کی طاقتیں ارادے سے متاثر ہو کر کام پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ تو اسے ہِمَّت کہتے ہیں۔ یہ اِرَادَہ اور

---

[۱۲۴] مثلاً مارکونی اطالوی نے بغیر تار کے پیغامات بھیجنے کا سلسلہ ایجاد کیا اور آئن سٹائن نے نظریہ اضافیت پیش کیا جسے ابھی تک بہت کم حکماء پوری طرح سمجھ سکے ہیں اس کے باوجود نظریہ اضافیت سے مادّے کے خواص کے متعلق جو نتائج نکلتے ہیں؛ وہ تجربات سے صحیح نکلتے ہیں۔ جیسے سورج گرہن کے وقت دور سے آنے والی روشنی کے کرنوں کا سورج کے اثر سے انحراف وغیرہ (مرتّب)

همّۃ[۲۵] جس آدمی میں زیادہ ہوتے ہیں، وہ بڑے بڑے کام کرسکتا ہے اور جس میں نہیں ہوتے، وہ اُن کاموں کو انسانیت سے اجنبی چیز سمجھے تو تعجب نہیں ٭

دعا کی پہلی اساس | دُعا سے مراد اُس ارادے کا اظہار ہے، جو ہم اپنے دل میں بناتے ہیں، یعنی یہ کہ ہم عمل کریں گے۔ ہم اس راہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کردیں گے۔ لیکن ہم جانتے ہیں، کہ اس راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اُس وقت ہم اپنے اللہ سے جو ربّ، رحمٰن، رحیم اور مالک و قادر ہے درخواست کریں گے، کہ وہ ان رکاوٹوں کو ہمارے راستے سے دور فرمانے میں ہماری مدد کرے، یہاں تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں ٭

انسانی ارادہ کیسے کام کرتا ہے؟ اس کے عمل کا اصلی منبع اور خزانہ حظیرۃُ القُدس ہے۔ اُس سے ہر ایک انسان کا براہ راست تعلق ہے۔ جب انسانی ہِمّۃ حظیرۃ القدس تک پہنچ جاتی ہے، تو وہ جو خیال بناتا ہے، وہ خارج میں ظہور میں آجاتا ہے۔ انسانی ہمت کے

---

[۲۵] امام ولی اللہ دہلوی رح فرماتے ہیں: واعلم ان ھذہ الاعمال کلھا اشباحٌ وارواحھا ھمۃ الداعی والصفۃ الجذابۃ للملئکۃ یعنی دعا مانگنے کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ صرف صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روح دعا مانگنے والے کی ھمۃ ہے اور یہ صفت کہ وہ ملائکہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے (تفہیمات الٰہیہ ج ا صفحہ ۱ سے (مرتب) ٭

Marfat.com

حظیرۃ القدس تک پہنچ جانے کو شرعی اصطلاح میں دُعاء کہتے ہیں
اور اس کے نتیجے کے نکلنے کا نام اِستجابت ہے۔ اور حظیرۃ القدس
کے ساتھ تعلق کو تعلق باللہ کہتے ہیں ÷

دُعا کے لیے دو ضرورتیں حظیرۃ القدس سے تعلق رکھنے اور اپنا راستہ
زیادہ صاف کرنے کے لیے دو چیزیں کام دیتی ہیں:۔

(۱) دماغ میں اس منظر کا ہر وقت اپنے سامنے رکھنا یعنی دماغ کا
ہر وقت حظیرۃ القدس کی طرف متوجہ رہنا۔ اس توجہ سے ایسی قوت
پیدا ہوتی ہے، جیسے آسمان کی طرف دیکھنے سے سورج نظر آتا ہے
کسی انسان کی جس قدر توجہ زیادہ ہوتی ہے، جو دماغ کی محنت
کا نتیجہ ہوتی ہے، اُسی قدر اس کی دُعا جلد قبول ہوتی ہے یعنی
اس کی توجہ کا نتیجہ جلد نکلتا ہے ÷

(۲) انسان کے بدن کا حیوانی نجاستوں سے صاف ہونا اور
لباس اور جگہ کا پاک ہونا اور فکر اور ارادے میں کسی چھوٹی چیز
کا دیر تک نہ ٹھہرنا، مثلاً بھوک لگی، کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔
جو میسّر آیا کھا لیا۔ اس کے بعد اپنی بھوک کا تصور بھی نہ رہا۔
یہ ایک چھوٹی سی بات تھی، لیکن بہت ضروری تھی، پوری ہوگئی
اور اس کا تصور اور خیال جاتا رہا۔ لیکن چند بھوکے انسان ہیں۔
اُن کے لیے روٹی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اُن کے لیے ایک دن
کا انتظام کر دینے سے اُن کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

اس کا انتظام سوچنے کے لیے کافی وقت اور توجّہ کی ضرورت رہے گی۔ یہ ہے بڑا فکر جو، جب تک پورا نہ ہو جائے، سامنے رہنا چاہیے۔

جس شخص کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاتا ہے۔ شرعی زبان میں اسے کہتے ہیں۔ کہ اُس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ حظیرۃ القدس کا سمجھنا تو اہل علم کا کام ہے، عام زبان میں یہ کہہ دینا کافی ہے، کہ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (وہ اللہ پر ایمان لے آیا) جن لوگوں میں یہ طاقت نہیں ہے، وہ اس طاقت کے نتائج کو انسانی فطرت سے اجنبی چیز سمجھتے ہیں۔ کبھی اُسے کرامت کہہ دیتے ہیں کبھی معجزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فاقد البصیرۃ لوگوں کی اصطلاحیں ہیں ورنہ تمام نتائج جو انسان کی ہمت سے پیدا ہوتے ہیں، وہ سب انسان کی فطرت کا جزء ہیں۔ اِس سے باہر کی چیز نہیں ہیں۔[۲۶]

---

[۲۶] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: معلوم رہے کہ اس فقیر کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خوارق عادات اپنی ذات کی حد کے اندر امور عادیہ ہی ہیں۔ بایں معنی کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ جب نفس ناطقہ کسب یا جبلت سے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے، کہ غیب کی باتیں اس پر کھل جاتی ہیں اور اس کی دعا قبول ہونے لگتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی یہ سنت اللہ بھی

(باقی ص۶۱ پر)

Marfat.com

اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی قوتِ قلب کے ساتھ دعا مانگے، تو اُس کی کچھ قیمت (تاثیر کی مقدار) مقرر کر لی جائے۔ اگر دوسرا شخص اُسی ہمّت کا شریک دُعا ہو جائے، تو ظاہر ہے کہ اس کی تاثیر

(بقیہ صفحہ ۶۶ سے آگے) جاری ہے کہ کوئی شخص جب تریاق کھالے، اُس پر سے زہر کا اثر جاتا رہتا ہے یا گوشت اور چربی خوب کھائے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن جو چیز جس طرح ہوتی نظر آتی ہے اس کے خلاف واقع ہو جانا خارق عادت کہلاتا ہے +

نیز یہ بھی اس فقیر کو اطلاع دی گئی ہے، کہ خوارق کی ہر ایک نوع ایک کسب ہے جب کوئی شخص اس کسب سے تمسک کرتا ہے۔ تو وہ خارق اس سے صادر ہونے لگتا ہے +

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ: اہل غرض.... جب کسی وجہ سے اپنی ہمتوں کو حظیرۃ القدس تک پہنچا دیتے ہیں، جیسے نمازِ استسقاء کے لیے لوگوں کے اجتماعِ عظیم سے یا عرفات کے میدان میں رحمت کے نزول کی طلب کے لیے دُعا، تو یہ نظامِ عالم میں اثر انداز ہوتا ہے +

پس جب قوی عزم والا شخص جو جبلّت یا کسب کے ذریعے سے (حظیرۃ القدس کی) قوت متفرقہ کے ساتھ مناسب رکھتا ہو، کسی کام کی طرف توجہ کرتا ہے۔ تو یہ عزیمت حظیرۃ القدس تک پہنچتی ہے اور وہاں کسی نہ کسی شکل میں تاثیر کرتی ہے جو اس ہمت اور اسباب موجودہ کے بقدر عالم مادّی میں اثر کرتی ہے۔ ل ہمعات" (ہمہ ۱۷)] + (مرتّب)

Marfat.com

یا قیمت بڑھتی جائے گی۔ اس طرح بڑھتے بڑھتے جب ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے، تو حظیرۃ القدس اُسے اپنا نمائندہ بنا لیتا ہے اب یہ کیفیت ہوتی ہے، کہ اُن کے دل میں کوئی فکر آیا اور وہ کام ہو گیا! اُن کی زبان سے دعا نکلی اور وہ قبول ہوئی!

دینی اور لادینی جماعتیں دُنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں، وہ انسانوں کی جماعت کے مل کر کام کرنے ہی سے ہوئے ہیں۔ ان جماعتوں کی پہلی تقسیم یہ ہو گی:-

(۱) حظیرۃ القدس کو ماننے والے، اور

(۲) حظیرۃ القدس سے غافل

ان میں سے پہلی جماعت کی دعوت کتب الٰہیہ دیتی ہیں اور دوسری جماعت میں وہ لوگ ہیں جنہیں ہم لادینی کہتے ہیں۔ اس آخر الذکر جماعت کے کام بھی ہوتے تو حظیرۃ القدس ہی کی طاقت سے ہیں، لیکن دماغی کمزوری کے باعث وہ اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ اس لیے انہیں "غافلین" قرار دیا جاتا ہے۔ ہم نے لادینی لوگوں کی بہت سی جماعتوں کو بڑے بڑے کاموں میں کامیاب ہوتے دیکھا ہے اُن کے عمل کا تجزیہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ کچھ غفلت برتتے ہیں جو لوگ اپنے آپ کو خدا پرست مذہبوں کے پابند، حظیرۃ القدس میں فنا حاصل کرنے کے مدعی ظاہر کرتے ہیں، اُن کی ہمت ان لادینی لوگوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ اس لیے خدا پرست

Marfat.com

لوگ ناکام ہو رہے ہیں۔ اور اُن کے مقابلے میں لادینی لوگوں کی ہمّت چونکہ ایک صحیح کام پر متوجہ ہوگئی ہے، اس لیے وہ کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہمّت کی تاثیر کے لیے جو شرطیں ہیں، وہ دونوں کے لیے یکساں ہیں۔ اُن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب تک ایک انسان اپنے مقصد پر اپنی جان و مال دینا منظور نہ کرے، ہمّت کا وہ نصاب پورا نہیں ہوتا، جو حظیرۃ القدس تک پہنچ کر وہاں کی قوتوں کو حرکت میں لا سکتا ہے۔

دُعا کی دُوسری اساس دُعاء کا مطلب یہ بھی ہے، کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی جائے، وہ ضرور ملتی ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے، کہ حکمتِ الٰہی کے مطابق جس چیز کی جہاں ضرورت ہوتی ہے، وہاں وہ ضرور پیدا کر دی جاتی ہے، لیکن اس امر کا اظہار، کہ کس چیز کی ضرورت ہے، ہم اپنے فیصلے (دُعاء) سے خود کرتے ہیں۔

کبھی کبھی ہمارے فیصلے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری طلب کردہ چیز پیدا نہیں کی جاتی، لیکن ہماری ذمہ شناسی کا تقاضا یہی ہے، کہ ہم اپنے فیصلے سے وہ چیز اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ اس میں یہ بھی ہوتا ہے، کہ اگر وہ چیز پیدا کرنا مناسب نہیں ہوتا، تو آگے چل کر ہمیں بتا دیا جاتا ہے، کہ اُس چیز کا پیدا کرنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن یہ اصول بہرکیف اپنی جگہ قائم رہے گا، کہ ہم کوئی

Marfat.com

چیز اپنے ارادے اور فیصلے کے اظہار (دعاء) کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں، تو وہ ہماری طلب اور ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دُعاء کا مطلب اس آیت۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ۔ کے سلسلے میں دُعاء کی ان دونوں بنیادوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے، کہ ہم فیصلہ کرتے ہیں، کہ ہم سیدھے راستے پر چلیں گے، ٹیڑھے اور غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ یہ فیصلہ کرلینا انسان کا بہت بڑا شرف ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے، کہ جہاں غلطی ہو گی، ہم اسے چھوڑتے جائیں گے۔ انسانیت کی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اِس کے ساتھ ہی اس فیصلے کا اثر یہ بھی ہونا چاہیے، کہ اپنی فطرت کو اپنے اوپر حاکم بنائیں۔ جو چیز اس کے خلاف ہمیں سکھائی جائے اُس کا انکار کردیں۔

فائدہ: جب ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہماری تائید میں ہے، جو چیز ہم مانگتے ہیں، وہ ضرور عطا فرما دیتا ہے، تو ہم کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتے۔ مخالف طاقت کا ڈر دماغ سے نکال دینا ہی کامیابی کا گُر ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرلی، تو ہمیں اطمینان ہو گیا، کہ ہمارا مخالف کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس سے ہماری طبیعت میں اوّل درجے کی ہمت اور شجاعت پیدا ہوتی رہے گی اور جو چیز مانگتے ہیں۔ اس کا عطا کرنا

Marfat.com

بھی مناسب ہے تو وہ چیز پیدا بھی کر دی جائے گی +

دُعاء کا فائدہ | جب انسان کے دل میں یہ خطرہ موجود ہو، کہ مطلوب حاصل کرنے میں موانع ہیں، تو قوتِ عملی نشاط کھو بیٹھتی ہے اور قوتِ ارادی پورے زور کے ساتھ عمل نہیں کرتی اور نتیجہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا، لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ کر اطمینان حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی قوتِ ارادی تمام مظاہر عمل میں اُبھرنے لگتی ہے

انبیاء کرام کی تعلیمات میں تحریف کرنے والوں اور فطرت انسانی کو مسخ کرنے والوں نے دُعاء کے اس مفہوم کو بدل ڈالا ہے - فطرت سلیمہ اُن کا انکار کرتی ہے - ہم اپنی حکمتِ عملی میں دعاء کو علّتِ تامّہ کا ایک جزو مانتے ہیں - ہمارے خیال میں کسی عمل کے بر روئے کار آنے میں انسانی ارادے کو بھی دخل ہے +

صراطِ مستقیم | یہ دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے :

(۱) عقل و نظر کی روشنی میں، اور

(۲) تاریخ و تجربے کی روشنی میں +

(۱) صراطِ مستقیم عقل کی روشنی میں | عقل و نظر کی روشنی میں صراطِ مستقیم سے مراد ہے، فطرتِ انسانی پر چلنا اور اس کے طبعی تقاضے پورے کرنا +

جب انسان کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے، جو اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق ہے، تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے، گویا اُسے ایک بھولی ہوئی چیز یاد دلائی گئی ہے - اس لیے جو علم انسان کو دیا جائے،

Marfat.com

جو اخلاق انسان کو سکھائے جائیں اور سوسائٹی کا جو نظام اُسے بتایا جائے، وہ ایسا ہونا چاہیے، کہ فطرتِ انسانی پکار اٹھے کہ یہ میری ہی چیز ہے جو مجھے بھولی ہوئی تھی ⁂

جب انسان کی فطرت سلیم ہو (یعنی بیمار نہ ہو) تو وہ اِس تعلیم کی خوبیاں آسانی سے سمجھ سکتا ہے اس کی صحت اور بیماری کا اندازہ عام لوگوں کی حالت سے مقابلہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک انسان ایک چیز سے نفرت کرتا ہے، لیکن عام لوگوں کو دیکھیں تو وہ اُس سے نفرت نہیں کرتے، تو یقیناً یہ سمجھ لینا چاہیے، کہ یہ شخص بیمار ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم کی ہر چیز کو مَعرُوف کہا گیا ہے یعنی "سب کی جانی پہچانی ہوئی چیز" اس کے برخلاف جس چیز کو انسان کی فطرت سلیمہ قبول کرنے سے انکار کردے، قرآن حکیم اُسے مُنکَر کہتا ہے، یعنی "وہ چیز جسے انسانی فطرت نہیں پہچانتی، کہ یہ اُس کی ہے" ⁂

جو سوسائٹی انسانی فطرتِ سلیمہ پر قائم کی جائے گی، وہ لامحالہ مَعرُوف کا حکم دے گی اور مُنکَر سے روکے گی۔ اس تعلیم کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں ⁂

جب ہماری طبیعت مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی پابند نہ رہے اور ہم اپنی پوری ہمت کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگیں اور یہ بھروسہ اُس بھروسے سے زیادہ ہو جو آغازِ طفولیت میں

Marfat.com

اولاد کو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے، تو ہم اپنی فطرت کی تکمیل کے سوا کوئی بات نہیں سوچتے۔ اُس وقت ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور دعا بھی فقط یہ کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (ہمیں سیدھی راہ۔ فطرتِ انسانی۔ پر قائم رکھ)[۲۷]+

اس دُعا کا اجتماعی پہلو | سیدھے راستے پر چلنا انسانیت کا تقاضا ہے، لیکن اِھۡدِنِیۡ (مجھے چلا) کی جگہ اِھۡدِنَا (ہمیں چلا) کہنا ظاہر کرتا ہے، کہ ایک فردِ انسانی اپنے طبعی تقاضے تنہا پورے نہیں کر سکتا۔ یہ تقاضے اعلیٰ درجے کے انسانوں کی سوسائٹی ہی میں پورے ہو سکتے ہیں +

طلبِ ہدایت کی ضرورت | ایک بچہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے، اُس کا طبی معائنہ ہوتا ہے۔ وہ تندرست پایا جاتا ہے۔ اب یہ کہا جائے گا کہ یہ

۲۷؎ امام ولی اللہ دہلوی رح انسان کی فطری ترقی کو چار منازل میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) ارتفاقِ اوّل یعنی انسان کی زندگی جب وہ چھوٹے چھوٹے دیہات بسا کر رہتا تھا +

(۲) ارتفاقِ دوم جب اُس نے قصبے بسا کر رہنا شروع کیا۔

(۳) ارتفاقِ سوم جب اُس نے حکومت کا نظام قائم کر لیا۔

(۴) ارتفاقِ چہارم جب مختلف قومیں مل کر ایک بین الاقوامی نظام قائم کر لیں۔ یہ ارتفاقات تہذیبِ نفس، تدبیرِ منزل، سیاستِ مدینہ اور خلافتِ کبریٰ (انٹرنیشنل سٹیٹ) پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے تقاضے ہیں اور ان کی صحیح شکل "صراطِ مستقیم" ہے + (مرتب)

Marfat.com

بچہ مدرسے کی تعلیم کی تکمیل کرنے کے قابل ہے۔ یہ حالت انسان کے طبعی تقاضوں کی سلامتی کی مانند ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک سو لڑکوں میں سے جو تندرستی کی حالت میں پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں، کتنے ہوتے ہیں، جو کالج کی انتہائی جماعت تک پہنچ جاتے ہیں؟ جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے وہ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں کے ارد گرد جو قوتیں اُن کے طبعی تقاضوں کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ اُن سے دب کر وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ پاتے +

کائنات میں انسان تنہا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے گرد بہت سی چیزیں اور قوتیں ہیں مثلاً جمادات، نباتات، حیوانات، جن، فرشتے وغیرہ انسان کو ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ اُس کی طبیعت اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی[۲۵]

عام مشاہدہ یہ ہے، کہ انسان ہر وقت اپنے عقلی تقاضوں ہی سے اثر نہیں لیتا رہتا، کبھی اس پر اس کے حیوانی جذبات بھی غالب آ جاتے ہیں۔ جو غذا وہ کھاتا ہے، اور جس سوسائٹی میں وہ رہتا اور کام کرتا ہے۔

---

[۲۵] امام ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل "باب فی اسباب الخواطر الباعثۃ علی الاعمال" میں اُن اسباب کا ذکر کرتے ہیں، جو انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان میں طبیعی ماحول، ملأ اعلیٰ اور شیاطین کے اثرات وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ طبیعی ماحول سے مراد معاشی و معاشرتی ماحول ہے + (مرتب)

Marfat.com

اس سے بھی اس کی طبیعت اثر لیتی ہے۔ اس لیے اسے تعلیم کی ضرورت ہے، لیکن تعلیم میں جبر کا دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف یہ بتا سکتی ہے، کہ انسانی فطرت کا تقاضا کیا ہے، جس کے مطابق اسے کام کرنا چاہیے۔ دعا کے نتیجے کے طور پر یہ رہنمائی انسان کو ملتی رہتی ہے قرآنِ حکیم پر عمل کرنے والوں کو یہ رہنمائی کسی نہ کسی شکل میں ملتی رہے گی اور جو لوگ قرآنی انقلاب کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے اُن کی رہنمائی ہوتی رہے گی +

(۷) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: (اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا) ہم نے جو سیدھا راستہ مانگا ہے، یہ اس کی مزید تشریح ہے +

(۲) صراطِ مستقیم تاریخ کی روشنی میں: پچھلی آیت میں صراطِ مستقیم کی جو طلب نظریے کی شکل میں تھی، وہ اس آیت میں تاریخ اور تجربے کی روشنی میں معیّن کر دی گئی ہے +

مُنعَم عَلَیہ سوسائٹی: انسان مدنی الطّبع ہے وہ تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا اُس کے فطری قویٰ کی تکمیل سوسائٹی کے اندر رہ کر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے قویٰ کی تکمیل کے لیے نمونہ سوسائٹی ہی میں مل سکتا ہے اور اُس کا نظامِ نظریات (IDEOLOGY) اجتماع میں شامل ہوئے بغیر جائے گیر نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اُس کی ارتقائی زندگی اجتماع کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس آیت میں ایک سوسائٹی کی درخواست

Marfat.com

کی گئی ہے۔ جو اَنعَمتَ عَلَیھِم (انعام یافتہ لوگوں) کی ہے۔ جس اجتماع کے افراد کے فطری قُویٰ کی ترقی کا سامان اللہ تعالیٰ بہم پہنچا دے وہ انعام یافتہ معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ جو شخص اس جماعت میں منسلک ہو جائے، وُہی صراطِ مستقیم پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم کی تعیین اور سوسائٹی کی طلب انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے۔ تو وہ خود لائقِ ملامت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک آدمی کو بھوک یا پیاس لگتی ہے۔ وہ خوراک یا پانی تلاش نہیں کرتا اور مرجاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر آتی ہے اور وہ خود ہی لائقِ ملامت ہے۔

خدا تعالیٰ کا بہترین انعام یہ ہے۔ کہ کسی سوسائٹی میں اپنا علم ہو اور وہی اس سوسائٹی پر حکومت کرتا ہو۔ انسانی حریت انہی حالات میں قائم رہ سکتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایسی سوسائٹی دی جائے، جو اعلیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگوں پر مشتمل ہو[عـــــہ ۲۹]+

عـــــہ ۲۹ امام ولی اللہ دہلویؒ انسانی معاشرے کی ترقی کی مختلف منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے ارتفاقِ رابع (بین الاقوامی نظام یا خلافتِ کبریٰ) کا ذکر کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں، کہ: جب خلیفہ وجود میں آجاتا ہے اور ملک کا نظام نہایت اعلیٰ پیمانے پر درست کرلیتا ہے، جابر سے جابر حاکم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں اور بادشاہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں، تو تمّتِ النعمۃ (نعمتِ الٰہی کامل ہو جاتی ہے) گویا امام صاحبؒ کے نزدیک بین الاقوامی حکومت بلند ترین نعمت ہے جو کسی انسانی معاشرے کو مل سکتی ہے+

حجۃ اللہ البالغہ [illegible]

Marfat.com

ترقی کُن سوسائٹی کے چار اجزا | قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے:
أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (۴ : ۶۹) (یعنی منعم علیہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوتے ہیں) اس آیت پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں:

(۱) علمی اور (۲) عملی

اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو علم اور عمل میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی انسان میں ایک قوت زیادہ ہو کسی میں دوسری۔ اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کمی بیشی کے لحاظ سے انسان کی علمی اور عملی قوتوں کے دو درجے ہو سکتے ہیں:

(۱) فاعلی اور (۲) انفعالی

(۱) انبیاء | جس انسان میں علمی اور عملی قوتیں فعالیت کے بہت بلند درجے پر ہوں، وہ منبع علم[۱] سے براہ راست علم حاصل کر سکتا ہے، اُسے نبی

---

[۱] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض فرشتے مقرب ہیں۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ (MEDIUM) ہیں۔ ان کے اجتماعات بھی ہوتے ہیں جنہیں ملاءِ اعلیٰ کہتے ہیں۔ انسانی اجتماع کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات پہلے اس ملاءِ اعلیٰ میں نازل ہوتی ہیں۔ ان کا اجتماع روحِ اعظم کے پاس ہوتا ہے تو ان کے انوار آپس میں

(باقی صفحہ پر)

Marfat.com

کہتے ہیں۔ یہ صدیقین، شہدا اور صالحین پیدا کرنے والے اساتذہ ہیں +

(ب) صدیقین: جس شخص میں علمی قوت انفعالی لحاظ سے بلند درجے کی ہو، وہ منبع علم سے براہِ راست تو علم حاصل نہیں کر سکتا، لیکن اگر اس میں عملی قوت بہت بلند درجے کی ہو تو اُسے صِدّیق کہتے ہیں۔

(ج) شہداء: جو لوگ قوتِ عملی میں بلند درجے کے مالک ہوتے ہیں، لیکن صدیق سے کم درجے کے ہوتے ہیں اور علم میں بھی اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسے کامیابی سے چلا نہ سکیں تو اس کوشش میں جان تک لڑا دیتے ہیں، وہ شہید کہلاتے ہیں +

(د) صالحین: جو لوگ علم و عمل میں نچلے درجے کے ہوتے ہیں، لیکن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور عمر بھر امرِ حق میں کوشش کرتے رہتے ہیں، وہ صالح کہلاتے ہیں۔

ایک ترقی کن سوسائٹی میں ان چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ ایسی سوسائٹی میں نبی بطور معلّم کام کرتا ہے۔ وہ صدیق اور شہید پیدا کرتا ہے اور صالحین کو جمع کرتا ہے +

(بقیہ صفحہ سے آگے) مل جاتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ اس اجتماع میں بنی آدم کے لیے پروگرام طے ہوتے ہیں جن کا علم اس زمانے کے سب سے پاک دل انسان کو بذریعہ الہام دیا جاتا ہے

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵-۱۶ ملخصًا) (مرتّب)

Marfat.com

یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں گے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے، جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنی چاہتے ہیں جس میں ہی اپنی زندہ تعلیم کے ساتھ تو موجود ہی ہے۔ اس میں صدیق ہوں جن کی فطرت کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم ہے وہ اس تعلیم کو پوری طرح سے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا جان و مال قربان کر سکتے ہیں؛ جس میں شہید ہوں جو قرآن حکیم کے پروگرام کو چھوڑنا برداشت نہ کریں، خواہ انہیں جان دینی پڑے؛ جس میں صالحین ہوں جن کی ہر ایک کام کرنے والے کو ضرورت ہوتی ہے[علا]

ع۲۴ تاریخی طور پر اس قسم کی مکمل سوسائٹی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیدا کی اس سوسائٹی کی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (بہترین دور میرا دور ہے، اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس دور کے بعد آئیں گے۔ پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے)

امام ولی اللہ دہلویؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ کہ: "قرنِ اوّل زمان آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم، از ہجرت تا وفات، و قرنِ ثانی زمانِ شیخین، و قرنِ ثالث زمانِ ذی النورین، بعد ازاں اختلافہا پدید آمد و فتنہا (باقی صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ صہ ۷۹ سے آگے) ظاہر گردید" (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصد اوّل صہ ۱۲۱)

یعنی خیر القرون کا پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے، جو ہجرت سے وفات تک کا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم کا دور ہے اور تیسرا درجہ سیدنا عثمان غنی رض کی شہادت تک کا زمانہ ہے ۱؎۔ اس کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور فتنوں نے سر اٹھایا +

یہ خیر القرون (اپنے تینوں درجوں میں) رہتی دنیا تک ہر ایک ترقی کن معاشرے کے لیے نمونہ رہے گا۔ اس مکمل سوسائٹی کو قرآن حکیم وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (۹ : ۱۰۰) (سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار میں سے) کی اصطلاح سے ظاہر کرتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (۴۸ : ۲۹) (محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی) میں مَعَهٗٓ (اس کے ساتھ والے) میں اس جماعت مہاجرین و انصار کی طرف اشارہ ہے۔ مہاجرین اور انصار کے دور کے بعد جو لوگ ان کی پیروی کر کے ہر زمانے میں ایسے ہی معاشرے پیدا کرتے رہیں گے، وہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (۹ : ۱۰۰) میں داخل ہوں گے اور وہ بھی مَعَهٗٓ میں شامل ہوں گے ان کے لیے خیر القرون نمونہ ہوگا اور وہ خود اپنے زمانے کے لیے نمونہ ہوں گے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مصداق قرار پائیں گے۔ (ختم شد)

۱؎ مولانا عبید اللہ سندھی رح کا کہنا ہے، کہ پہلا درجہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رض کا زمانہ ہے اور دوسرا درجہ سیدنا فاروق اعظم کا دور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رض نے کوئی نیا کام نہیں کیا چنانچہ:

(۱) خلافت کے نظم و نسق میں خلل آیا یعنی زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ مرکزی

(باقی صہ ۸۱ پر)

(۷) غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ٥

(۱) اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ

مغضوب علیھم کون ہیں؟ | انسانی زندگی تقسیم نہیں ہوسکتی، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص میں صرف علم ہی علم ہو اور دوسرے میں فقط عمل

(بقیہ صـ۸۰ سے آگے) حکومت کو ادا کرنے سے انکار کردیا تو جبراً انہیں مرکزی حکومت کے تحت لے آئے۔

(۲) جو مہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں بھیجنے کا اہتمام فرما رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے رُک گئی تھی، وہ روانہ کردی۔

(۳) نبوت کے مدعیوں کا قلع قمع کیا۔

(۴) تقسیم معاش کا وہی اصول رکھا جو نبی اکرم صلعم نے قائم فرمایا تھا یعنی ہر ایک خاندان کو بقدر ضرورت دینا اور مناصب اور اسلامی خدمات کی وجہ سے کمی بیشی نہ کرنا۔

(۵) جو وظیفہ اپنی ضروریات کے لیے بیت المال سے لیا تھا، وہ وفات کے وقت واپس کردیا۔

یہ اوّل درجے کا دور ہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے آگے چل کر اسلامی خدمات اور قرابت نبی اکرم صلعم کی بنا پر وظائف میں کمی بیشی کردی۔ لیکن اول تو انہوں نے اس تقسیم میں بھی دردل سے کام لیا اور جس حساب کی رو سے جتنا حق پہنچتا تھا اتنا

(باقی صـ۸۲ پر)

Marfat.com

ہی عمل -عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ علم اور عمل ایک نہ ایک حد تک ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں۔ جس شخص نے اپنا علم تو بڑھا لیا اور عملی قوتوں کو ترقی نہ دی وہ مغضوب علیھم ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو پہچانتے ہیں اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کے باوجود وہ عمل کے لیے نہیں اُٹھتے۔ انعام یافتہ لوگ ایسے نہیں ہو سکتے۔ ہم اُن سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ لفاظی کے ذریعے سے لمبے لمبے خواب سنائیں گے اور طرح طرح کے

(بقیہ صدا سے آگے) دے دیا۔ اس میں کسی وجہ سے رورعایت نہیں کی دوسرے بعد میں اس کمی بیشی کے اصول کو جاری کرنے پر افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر میں اگلے سال انہی ایام میں زندہ رہ گیا تو یہ نیا قاعدہ بدل کر سیدنا ابوبکرؓ کا اصول عمل میں لاؤں گا۔ لیکن وہ اپنی شہادت کی وجہ سے یہ اصول نہ بدل سکے۔

یہ دوسرے درجے کا بہترین دور ہے۔

سیدنا عثمان غنیؓ کا دور تیسرے درجے کا بہترین دور ہے۔ کیوں کہ انہوں نے بیت المال سے اپنا حق پورا لینا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ اسے بھی اپنے حاجت مند عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے۔

اول درجے کے لوگ اسلامی حکومت پیدا کریں گے، تو ان کے لیے نبی اکرم صلعم اور سیدنا ابوبکرؓ کا دور نمونہ ہوگا۔ لیکن عام لوگ کثرت سے شامل ہوں گے تو سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور نمونہ ہوگا یا سیدنا عثمان غنیؓ کا دور قابل قبول ہوگا۔ اس سے کم درجے کی کوئی حکومت نبوی طریق کی اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ (مرتب)

Marfat.com

سنہرے باغ دکھائیں گے۔ سادہ مزاج انسان اُن کی صحت اور غلطی کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے ہم ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مغضوب علیہم کی مثال یہودیوں سے دی جاتی تھی[۳۲]۔ جب اسلامی نظام موجود ہو تو جو شخص جہاد سے گھبرائیں، وہ اس حد میں آتے ہیں اور جب اسلامی نظام ٹوٹ گیا ہو اور جہاد کے لیے جس نظام کی ضرورت ہے، وہ نہ رہے، تو جو لوگ انقلاب کے ذریعے اس نظام کو دوبارہ پیدا کرنے کی ہمت نہ بنائیں، وہ بھی اسی حد میں داخل ہیں۔ جو علماء کہلا کر جہاد اور انقلاب سے بچنے کی کوشش کریں، وہ سب سے زیادہ اس شق میں شامل ہیں۔ ایسے نام نہاد علماء کو ختم کر دینا چاہیے۔ جب تک کسی انقلابی جماعت میں یہ بات نہیں آتی وہ قرآن کی حکومت پیدا نہیں کر سکتی۔

(ب) الضّالّین

ضالین کون ہیں؟ وہ لوگ ہیں جن میں صحیح علم نہیں ہے، یا بہت ہی کم ہے، لیکن عملی قوت بہت زیادہ ہے۔

ان کی مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نصاریٰ تھے[۳۳] وہ مسیح کو

---

۳۲ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں دہلی کے اکثر علماء اس کی مثال تھے۔ مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ کے زمانے میں جو لوگ جہاد کے نام سے گھبراتے تھے وہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ آج جو لوگ انقلاب کے نام سے گھبراتے ہیں، وہ بھی اس حد میں داخل سمجھنے چاہییں یہ لوگ نہ مسلمانوں کی سوسائٹی کے معزز ممبر ہیں، نہ امام ولی اللہ کی سوسائٹی کے آدمی ہیں، نہ مولانا شیخ الہند کے آدمی ہیں اور نہ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے ہیں (عبید اللہ سندھیؒ)

۳۳ امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کے بعض مشائخ طریقت اور مولانا شیخ الہند کے

(باقی صفحہ ۸۴ پر)

Marfat.com

ابن اللہ مانتے ہیں لیکن رومی سلطنت جیسی وسیع سلطنت بھی چلاتے ہیں۔ انہیں مسیحؑ کو ابن اللہ ماننے کا نقصان یہ پہنچا کہ مسیحؑ کے درجے کے جو خدام انسانیت پیدا ہوئے، اُن کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اِس طرح وہ انسانیت میں گمراہی پھیلاتے ہیں، حالانکہ حضرت مسیحؑ اس سے زیادہ کیا تھے کہ اللہ تعالیٰ کے منعم علیہ بندے تھے۔ اور اس لیے اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سوا اور لوگوں پر بھی انعام کیے ہیں۔ اُن کا انکار کیوں؟ یہ اِن لوگوں کی گمراہی ہے۔

ہمارے زمانے میں جو علماء قرآنی سیاست کو چھوڑ کر سیاست میں کسی قوم کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ مغضوب علیھم کی زد میں آتے ہیں اور جو انگریزی دان دوسری قوم کی سیاست کی تقلید کرتے ہیں، وہ اَلضَّآلِّیْن کی نشق میں شامل ہیں۔ جو بات تم خود نہیں سمجھتے اور اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، اس کی ذمہ داری مت لو۔ سمجھ بوجھ کر جو سیاسی کام کر سکتے ہو، وہ کرو ورنہ خاموش بیٹھو۔

ایسے ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا، وہ بھی ضالّین میں سے ہے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ہمارے زمانے کے لوگوں کے لیے قرآن سمجھنے کی تمام لفظی و معنوی دقتیں دور کر دی ہیں

(بقیہ صٓ۸۳ سے آگے) زمانے میں جہاد کے مخالف یا اس کی اہمیت نہ سمجھنے والے ضالّین میں داخل ہیں۔ ہمارے جو ساتھی انقلاب کو نہیں جانتے یا اسے جاننے کی کوشش نہیں کرتے وہ ہمارے ساتھی نہیں ہیں ہم جس انقلاب کے داعی ہیں اس کے اصول وہی ہیں جو امام ولی اللہ دہلویؒ نے خیر القرون سے لے کر مدون کیے ہیں (عبید اللہ سندھیؒ)

Marfat.com

اب اس کتاب عظیم کا سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ہے اب بھی یہ کہنا کہ قرآن حکیم سمجھ میں نہیں آسکتا، پہلے درجے کی گمراہی (ضَلَالَت) ہے (نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)+

اٰمِیْن!

اِس دعا کے معنی یہ ہیں کہ خدایا! کرۂ زمین پر صالح سوسائٹی موجود ہے تو ہمیں اُس کے ساتھ ملنے کی توفیق عطا فرما۔ اگر نہیں ہے تو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ایسی سوسائٹی خود پیدا کریں +

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بہت مشکل ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ارادے کے بغیر صراطِ مستقیم کی تفہیم ہو بھی نہیں سکتی +

قرآن کا مقصد | قرآن حکیم کا مقصد صرف یہ ہے، کہ ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے، جو صراطِ مستقیم پر چلتی ہو۔ اس لیے وہ ہر شخص سے سورہ فاتحہ کا اقرار کرانا چاہتا ہے، تاکہ یہ ہر وقت اس کے ذہن میں رہے اور وہ اس اَمر کو ہر دم ملحوظِ خاطر رکھے کہ اس کی زندگی کا مقصد اس قسم کی سوسائٹی پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں +

بین الاقوامی دعا | قرآن حکیم عالمگیر اجتماعی تحریک کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اِس دعا میں جو عالمگیر اجتماعی تحریک کا عنوان ہے، قومی مقتضیات کا تعین نہیں کیا گیا +

عقلی نظریات کے اعتبار سے لوگ مختلف طبقات کے ہوتے ہیں۔ گو سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے صراط مستقیم ایک قوم کے ذہن میں

Marfat.com

کسی شکل میں آتی ہے اور دوسری قوم کے ذہن میں کسی اور صورت میں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دعا الہام فرمائی ہے، وہ اُن تمام تشخّصات سے پاک ہے، جو قومی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنی انسانی فطرت کے مطابق خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر لیتا ہے، اُس کے لیے صراط مستقیم کی دعا کیا مشکل ہے؟ کیا کوئی سلیم الفطرت انسان صراط مستقیم پر پیدا ہونے والے اجتماع میں شمولیت سے باز رہ سکتا ہے؟ اس لیے اس دعا پر تمام اقوام کا اجتماع مشکل نہیں ہے۔

ایسے ہی صراط مستقیم کے عملی پہلو کی تعیین اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے ذریعے سے اس کی تفصیل میں کسی قوم کے بڑے آدمی کا نام نہیں لیا گیا۔ جو شخص سلامتی فطرت کے ساتھ اپنے رب پر اعتماد کر لیتا ہے، کیا وہ ان لوگوں کے اجتماع سے الگ رہ سکتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا؟

ہم نے انبیاء کرام کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دعا نہیں دیکھی، جو شخصی، قومی، جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو سوائے سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے جو ان تمام اثرات سے پاک ہے۔ اس پر تمام اقوام جمع ہو کر ایک ہو سکتی ہیں۔

صلوٰۃ کیا ہے؟ صلوٰۃ (نماز) اصل میں اس بات کا نام ہے، کہ انسان اپنے پورے ارادے اور پوری ہمت کے ساتھ ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ اتصال پیدا کرے اور وہاں سے آئنے والی تجلی الٰہی سے قلبی رابطہ قائم کرے۔ اس اتصال اور رابطے کا فائدہ یہ ہوگا، کہ وہ جو چیز طلب کرے گا حسب حالات اسے

Marfat.com

دی جائے گی اور سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز جو انسان اللہ تعالیٰ سے طلب کر سکتا ہے، وہ اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق ہے۔ انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے ہی صراط مستقیم ہے۔ اس لیے ملأ اعلیٰ میں تجلی الٰہی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ دعا کرتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ اصل چیز ہے جو انسان کو ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ اس لیے نماز گویا یہ دعا مانگنے یا سورۂ فاتحہ پڑھنے کا نام ہے۔ طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنا اس صلوٰۃ کے مبادی ہیں۔ اور رکوع و سجود اس کے کمالات ہیں۔ اس کی روح یہ ہے، کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہے اور اپنی احتیاج پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ جو آیات یا سورت پڑھی جاتی ہے۔ وہ گویا اس دعا کا جواب ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت یہی قرآن ہے۔ تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو ہدایت یاب رہو گے اس کے بعد رکوع و سجود اس دعا کے قبول ہونے کے لیے شکریے کے اظہار کے طور پر ہیں [حاشیہ ۵]۔ اب جو مسلمان صلوٰۃ ادا کرے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ کیونکہ اِهْدِنَا کا یہی تقاضا ہے [حاشیہ ۶]۔

حاشیہ ۵ نماز کا یہ مفہوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے معین فرمایا ہے۔ (عبید اللہ سندھیؒ)

حاشیہ ۶ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، (باقی صفحہ ۸۸ پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صـ۸۷ سے آگے) کہ قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ (یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہو گئی ہے) +

جب بندہ کہتا ہے : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری ستائش و تعریف کی)

پھر جب بندہ کہتا ہے : اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی

اور جب بندہ عرض کرتا ہے : اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)

اور جب بندہ کہتا ہے : اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ (یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اُس نے مانگا ہے) + (مرتب)

فہرستِ مندرجات

قرآنی اساسِ انقلاب

(تفسیر سورۂ فاتحہ)

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	۳	دین کو سیاست کی ضرورت	۱۱
ید	۵	**تفسیر سورۂ فاتحہ**	۱۵
ام	۵	تشریح الفاظ	۱۵
مانہ نزول	۵	الحمد للہ	۱۶
مضمون	۵	بہترین نظام	۱۷
ربط	۶	اچھی اور بری چیزیں	۱۹
نبی اکرم صلعم کی نبوت کے دو درجے:	۶	حمد الٰہی کے چار گوشے	۲۲
(۱) قومی درجہ	۶	رب العلمین	۲۲
(۲) بین الاقوامی درجہ	۷	رب العلمین کے معنی	۲۳
حنیفیت عالمی تحریک ہے	۱۰	انبیاء کی بعثت کی غرض (حاشیہ ۱۵)	۲۳
دینی اور سیاسی تحریک میں فرق	۱۰	حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کی غرض (حاشیہ ۱۶)	۲۳

Marfat.com